اردو کے منتخب غیر مسلم نعت گو شعرا

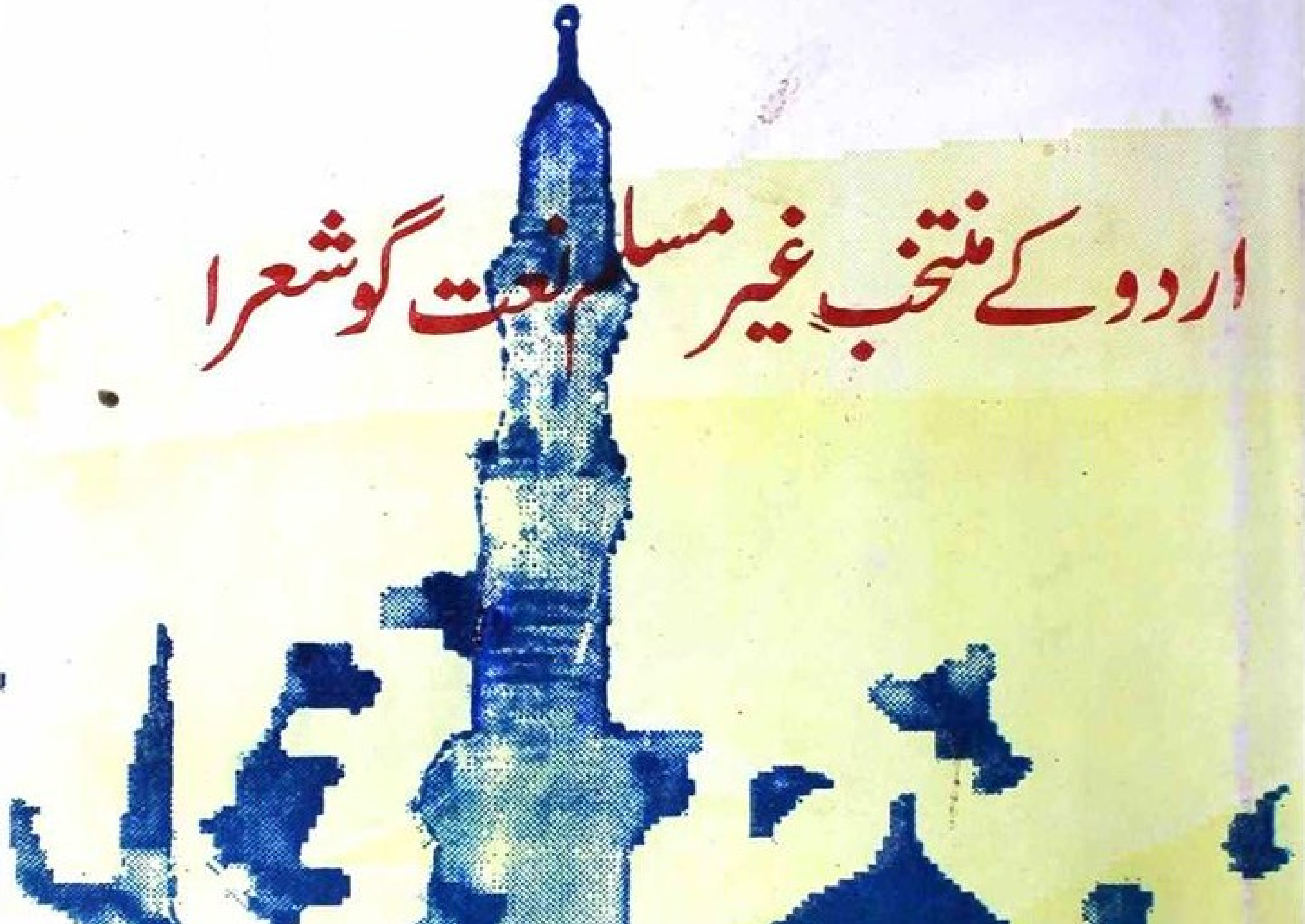

ڈاکٹر عقیلہ بیگم سید غوث

باسمہٖ سبحانہٗ

اردو کے منتخب غیر مسلم نعت گو شعرا

ڈاکٹر عقیلہ بیگم سید غوث

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اردو کے منتخب غیر مسلم نعت گوشعرا
مؤلفہ	:	ڈاکٹر عقیلہ بیگم سیّد غوث
پتہ	:	ستیہ نگر، امباجوگائی۔ ضلع بیڑ
سالِ اشاعت	:	۲۰۰۳ء
ناشر	:	پٹیل حفظ الرحمٰن
طباعت	:	سوپر کمپرنٹس، نزد محمد علی سرائے، مومن پورہ ناگپور
کمپوزنگ	:	فہمیدہ باشاہ/ ناظم الدین قیصر
تعداد	:	۵۰۰
قیمت	:	-/۱۰۰
ملنے کے پتے	:	پٹیل ثاقب الرحمٰن
	:	نزد سید سادات کی درگاہ، امباجوگائی، ضلع بیڑ
	:	کرانتی بک ڈپو، امباجوگائی
	:	۷/اسٹار کی ٹاؤن، منگل بازار صدر ناگپور
	:	ھدیٰ بک ڈپو، کارنجہ روڈ، بیڑ
	:	پروفیسر فہیم احمد، اردو اکادمی
		ہاؤس نمبر 911-6-1 نظامی کالونی، ناندیڑ

انتساب

بعد حمد وثنائے بزرگ و برتر کہ جس نے

مجھے اپنی سخنہائے گفتنی کے آغاز و تکمیل کی نیک توفیق عنایت فرمائی۔

میں اپنی اس ادبی نگارش کو اپنے والد

سید غوث سیّد نور

اور

مہربان والدہ

محترمہ فاطمہ بیگم

کے نام نامی سے

معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتی ہوں۔

انہی دونوں ہستیوں نے مجھے ناخواندگی سے خواندگی کی منزلوں کی طرف گامزن

ہونے کا حوصلہ عطا فرمایا

پیش گفتار

نعت ایک مقدس صنف سخن ہے جو صرف ثنائے محمدی کے لئے مخصوص ہے اس میں سرور کونین۔ رحمت اللعالمین کی شان میں عقیدت واحترام والے شعر پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ تمامتر اشعار عشق رسول کے نیک جذبے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان میں آنحضرتؐ کی سیرت مبارکہ کا ذکر اوران کے اوصاف حمیدہ، کردار واعمال کی تعریف وتوصیف نہایت صدق دل سے کی جاتی ہے۔ ویسے تو عربی وفارسی زبان وادب میں نعت گوئی کی روایت زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے مگر زبان اردو میں بھی نعت لکھنے لکھانے کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری وساری ہے۔ قدیم دور کے شعرائے اردو دیوان اور کلیات کا آغاز حمد اور نعت کے اشعار ہی سے کیا کرتے تھے۔ اس اعتبار سے اردو میں نعتیہ شاعری کی ابتدا، وسعت اور گیرائی محتاج بیان نہیں۔ اس میں محسن انسانیت کو مخلصانہ خراج عقیدت پیش کرنا تو اہل اسلام کا شیوہ خاص رہا ہے۔ یہ کلمہ گو حضرات مدح رسول اکرم کے سلسلے میں اظہار خیال رسول اکرم ہی کے زمانے سے کر رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ آئندہ ہی بھی کرتے رہیں گے۔ مگر فخر وانبساط کی بات تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو حلقہ بگوش اسلام نہیں ہیں وہ بھی نعت گوئی کو سعادت سمجھتے ہیں۔ بقول مہندر سنگھ بیدی سحر

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

بعض صاحب باطن نیک دل غیر مسلم شعرا نے بھی مدحت نبی اکرمؐ کے سلسلے میں بڑی خوبصورت نعتیں لکھی ہیں۔ اسے توفیق خداوندی ہی سمجھنا چاہیے۔ ان حضرات کی مخلصانہ نعت گوئی میں عظمت کردار رسولؐ اور حب نبی کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں۔ کلمہ گو نہ ہونے کے باوجود ان صاحبان فہم وبصیرت نے پیغمبر انسانیت کی سیرت مطہرہ اور اسوۂ حسنہ پر مخلصانہ اظہار عقیدت کیا ہے اور اس طرح ثنائے محمدؐ کر کے انھوں نے اپنے زبان وقلم کو خوش بخت بنا دیا ہے نیز اپنے جذبۂ رواداری وشرافت کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا ہے۔

ان غیر مسلم مخلص شعراء کی نعت گوئی کا مفصل جائزہ لینا اس وقت ممکن نہیں پھر بھی اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ نعت نبی ﷺ لکھ کر ان پاک نفس حضرات نے جو قابل قدر کارنامے انجام دیے ہیں وہ

ہر طرح لائق توصیف وستائش ہیں ان کارناموں کو منظر عام پر لانا بلاشبہ باعثِ خیر وبرکت ہے ان حضرات کے معیاری نعتیہ اشعار سے جہاں ان کے خلوص دل کا اظہار ہوتا ہے۔ وہیں ان کشادہ دل غیر مسلم بھائیوں کی انسان دوستی اور حق پرستی بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہ وہ پاک نفس لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اپنے مذہب پر کاربند ہوتے ہوئے پیغمبر اسلام کی سیرت وکردار اور حیات طیبہ کے روشن وتابناک پہلوؤں سے متاثر ہوکر انھیں والہانہ طور پر خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اپنی نعت گوئی میں انھوں نے اس امر کا بھی خصوصی خیال رکھا ہے کہ اظہار خیال نہایت پاکیزہ انداز میں ہو۔ زبان سادہ اور تصنع سے پاک ہو اور ذکر شان رسول میں کسی قسم کی گستاخی نہ ہونے پائے ان غیر مسلم نعت گو حضرات نے حضور اکرمؐ کی شخصیت اور تعلیمات سے متاثر ہوکر جو کچھ لکھا ہے دل کی زبان میں لکھا ہے اور پیغمبر آخر الزماں کی بے مثال تعلیمات سے فطری طور پر متاثر ہوکر ان کی تعریف وتوصیف۔ مدح وثنا، شمائل کا یہ ذکر خیر اپنی جگہ خود عبادت میں شامل ہے۔ رحمت دوعالم کی آفاقی شخصیت، سیرت وکردار کو خراج عقیدت پیش کرنا ایک مستحسن اقدام ہے۔ ایسے نیک دل اہل قلم کی کاوشات کو ایک کتابی شکل میں پیش کر دینا بھی اپنی جگہ کار ثواب میں داخل ہے۔ مقام مسرت ہے ناگپور یونیورسٹی کی ایک ریسرچ اسکالر عقیلہ بیگم سید غوث نے ڈاکٹر عتیق الرحمٰن خان کی نگرانی میں ایک تحقیقی مقالہ بعنوان ''اردو کے منتخب غیر مسلم نعت گو شعراء'' پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ترین سند حاصل کی ہے۔ انھوں نے یہ وقیع وجامع مقالہ بڑی جانفشانی، محنت اور لگن کے ساتھ مکمل کیا ہے یہ اسی مقالے کی تلخیص ایک کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہیں۔ موضوع، مواد اور زبان وبیان کی خوبیوں کے باعث انکی یہ کتاب ہر لحاظ سے لائق پذیرائی ہوگی۔ اسمیں غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کے ساتھ ساتھ ان کے حالات زندگی پر بھی مختصر طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ادبی کاوش پر ڈاکٹر عقیلہ بیگم کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعاگو ہوں کہ۔

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

ڈاکٹر منشاالرحمٰن خان منشا
سابق صدر شعبۂ اردو وفارسی
ناگپور مہاودیالیہ، ناگپور

۹ رنومبر ۲۰۰۳ء
۱۴ ررمضان المبارک ۱۴۲۴ء

حرفِ آغاز

نعت گوئی کو قدیم صنف شاعری تصور کیا جاتا ہے۔ اہل زبان وادب اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ ہر دور میں اور ہر علاقہ میں نعتیہ فکروادب کی ترویج میں کافی دلچسپی دکھائی گئی ہے۔ نعت ایک روحانی، آفاقی، فصیح وبلیغ شاعری کا نام ہے جس کی بے پناہ وسعتیں ہیں اس لیے اسے کسی مخصوص ہیئت یا فارم میں مقید نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مقدس موضوع سخن ہے۔ ہر شاعر نے بلاتخصیص مذہب وعقیدہ اپنے اپنے رجحانِ طبع کے مطابق اپنایا ہے۔ لہٰذا ایشیاء کی ہر زبان میں نعت گوئی کا رواج پایا جاتا ہے۔ اس نعتیہ کلام کے محاسن اور والہانہ اظہار عقیدت نے ہماری اردو اور فارسی شاعری کے معیار کی بلندی کو کہیں سے کہیں پہنچادیا ہے اور ان زبانوں کا ادب اس مقدس کلام کی سعادت اور عقیدت ومحبت رسول سے لبریز نظر آتا ہے۔ اور ہمارے علمی، ادبی، سماجی اور مذہبی حلقوں میں اسے مقبولیت عام کا مرتبہ حاصل ہو چکا ہے۔ یہ بات خصوصاً قابلِ ذکر ہے کہ ہمارے مسلمان برادران کلمہ گو کے علاوہ ہمارے غیر مسلم بھائی بھی نعت گوئی کے میدان میں اپنے جوہر طبع نمایاں کرتے نظر آتے ہیں ان کی یہ نعت گوئی مختلف قوموں اور افراد کے درمیان دوستی، باہمی قربت ومحبت اور مہر ومروت والے خوشگوار تعلقات کی فضا پیدا کرنے کا ایک کامیاب سبب بنی ہوئی ہے۔ یہ امر بے حد مسرت بخش ہے کہ ان غیر مسلم شعراء میں چند معروف ومنتخب شعراء کے نعتیہ کلام اوران کے حالات زندگی کو مختصر اً ہی سہی اس مقالہ میں موضوع سخن بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔

برصغیر ہند میں ہندؤں اور دیگر غیر مسلم شعراء کا نعت گوئی کی طرف متوجہ ہونا یہاں کی ایک بہت پرانی روایت رہی ہے۔ زمانۂ قدیم سے ہندو شعراء کی نعت گوئی نے اردو شاعری میں ایک خاص مقام حاصل کرلیا ہے ان مخلصانہ نعتیہ کلام ان کی قلم سے نہیں بلکہ دل سے نکلا ہوا معلوم ہوتا

ہے۔ ایک زمانے سے درگا سہائے سرور کی ایک نعت مدتوں مولود شریف کی محفلوں اور مذہبی جلسوں میں پڑھی جاتی رہی ہے۔ نیز ہری چند اختر کی بھی ایک نعت ۔

ایک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

اور مولانا ظفر علی خان کی نعت ۔

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں

ہندوستان کے بچے بچے کی زبان پر تھیں۔ منشی روپ چند نامی اردو کے ایک بہت اچھے کہنہ مشق شاعر تھے۔ عشرت لکھنوی نے ان کا ذکر اپنے تذکرے ''ہندو شعراء'' میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''منشی روپ چند کی ہر غزل میں ایک نعتیہ شعر ضرور ہوا کرتا تھا۔''

انہی کا ایک شعر یوں ہے ۔

آیا جو نام پاک محمدؐ زبان پر | صلی علیٰ کا شور اٹھا آسمان پر

ان کشادہ دل اہل سخن کے علاوہ مشہور و معروف ہندو شعراء ہر گوپال تفتہ، مہاراجہ کشن پرشاد شاد، تلوک چند محروم پیارے لال رونق چندی پرشاد شیدا دوارکا پرشاد افق اور مہاراجہ بہادر برق دہلوی بھی ایسے نامور اہل سخن تھے جن کی نعتیں، نظمیں، سلام اور مرثیے آج بھی اردو شعر و ادب کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ غیر مسلموں کا اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلق سے اظہار عقیدت کرنا واقعی قابل داد و تحسین ہے۔ ان کے اور مسلمانوں کے اظہار ادب و احترام میں یہ فرق ہے کہ مسلمان شاعروں کے لیے تو یہ ایک مذہبی ہے انھیں تو یہ فرض ادا کرنا ہی ہے لیکن جب کوئی ہندو شاعر یا غیر مسلم شاعر حضور اکرامؐ کی شان میں نعتیہ کلام کہتا ہے تو اپنا کوئی بندھا ٹکا مذہبی فریضہ ادا نہیں کرتا ہاں اس بات کا اظہار اس سے ضرور ہوتا ہے کہ وہ دوسرے مذہب کا پابند ہوتیہوئے بھی پیغمبر اسلام کی شان میں نعت کہہ رہا ہے تو گویا وہ اس نکتہ کی وضاحت کر رہا ہے کہ اپنے مذہب کے ساتھ ہی

ساتھ دوسروں کے مذہب اور بانیانِ مذاہب کا احترام بھی ضروری ہے اور آج دنیا کو اسی ضابطۂ اخلاق کی ضرورت ہے۔ دنیا اس وقت تنگ نظری، تنگ خیالی اور تعصب کے پھندے میں گرفتار ہے۔ عملی طور پر لوگ مذہب سے بیگانہ ہو رہے ہیں اور مذہب کے نام پر فتنہ وفساد برپا کرنے کے لیے ہر لحہ تیار رہتے ہیں اسلیے اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ شعراء اور دوسرے اہل قلم حضرات سامنے آئیں اور دوسرے مذہب کے بارے میں اور ان کے بانیوں کے بارے میں وسیع المشربی کے ساتھ نظم اور نثر میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ اگر ہم اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر دوسرے مذہب اور بانیانِ مذہب کا احترام کریں تو انسانی برادری میں ایک نہایت خوشگوار فضا قائم ہو سکتی ہے یہی وہ جذبہ ہے جو غیر مسلم شاعر سے نعتیہ کلام کہلواتا ہے۔

اس مقالے میں ایسے ہی کشادہ ذہن وفکر والے غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اسے تاریخی دور اور سیاسی وسماجی زمانے کے اعتبار سے چند مخصوص ابواب میں پھیلایا گیا۔ انشاء اللہ میں اپنی اس حقیر علمی وادبی کاوش میں ضرور کامیابی حاصل کرونگی اور ارباب علم وادب میری اس کاوش کو بنظر تحسین ضرور دیکھیں گے۔

عقیلہ بیگم سیّد غوث

☆☆☆

فہرست

صفحہ

۱۔ نعت کی تعریف لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم	۱۰
۲۔ نعت گوئی کے بنیادی لوازمات اور محاسن	۱۶
۳۔ غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری اور اس کی وجوہات	۲۰
۴۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی پر تنقیدی نظر	۲۹
۵۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی کا اعتراف	۵۰
۶۔ منتخب غیر مسلم شعراء کا تذکرہ	۵۳
۷۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی کا اجمالی جائزہ	۱۷۸
۸۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی کے متعلق چند ادیبوں کی رائے	۱۸۴
۹۔ غیر مسلموں کی نعت گوئی پر ناقدین کی آراء	۱۹۷
۱۰۔ اختتامی کلمات	۲۰۸
۱۱۔ کتابیات	۱۱۱

☆☆☆

نعت کی تعریف لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم

نعت کا لفظ عربی اور فارسی سے اردو تک آتے آتے ایک خاص اصطلاحی مفہوم کا حامل بن گیا اور اس سے مراد اردو میں ایک خاص قسم کی شاعری لی جانے لگی جس میں سرکار دو عالم کی ذات مقدس اور اوصاف حمیدہ کا بیان تعریف و توصیف کی شکل میں ہو۔ نعت کا تعلق چونکہ موضوع اور مضمون اور خارجی ہیئت سے نہیں لہٰذا اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے وہ تمام مراد ہوتا ہے جو نبیٔ برحق کے فضائل، مناقب اور مشائر پر مشتمل ہو، خواہ نثر ہو یا نظم میں۔ جیسا کہ افسر صدیقی امروہی نے لکھا ہے کہ:

"ہر اس کلام کو جس میں پیغمبر اسلام کی صفت بیان کی جائے نعت کہتے ہیں اس میں نظم کی کوئی قید نہیں ہے۔ اگر نثر بھی اس معیار پر پوری اترے تو اسے نعت ہی کہنا چاہیئے۔ لیکن آج کل صرف نظم ہی کو نعت کہا جاتا ہے اور اس کا رواج زیادہ ہے۔"

نعت سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"اصولاً آنحضرتؐ کی مدح کے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا لیکن اردو فارسی میں جب نعت کا لفظ استعمال ہوتا تو اس سے عام طور پر آنحضرتؐ کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے۔"

نعت کی کم و بیش یہی تعریف متعدد ارباب شعر و سخن نے کی ہے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔ ڈاکٹر یونس حنفی کہتے ہیں کہ:

"ایسی تمام نظمیں جن میں رسول خدا سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا جائے یا ان کے محاسن بیان کیے جائیں نعت کی تعریف میں آتی ہیں۔"

اردو کی نعتیہ شاعری کے مصنف ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ لکھتے ہیں کہ:

''نعت اس کلام منظوم کو کہتے ہیں جو حضور انور کی شان اقدس میں زیب قرطاس ہو۔''

پروفیسر ہارون رشید نے نعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''رسول اکرم کی مدح میں جو نظم لکھی جاتی ہے اسے نعت کہتے ہیں۔ شاعر نعت میں حضور کی تعریف و توصیف اور اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ نعت میں سیرت النبیؐ اور تعلیمات نبویؐ کی ترجمانی کر کے اس کے دائرے کو وسیع اور اسے دین کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔''

ڈاکٹر منظر اعظمی والہانہ محبت اور عقیدت کا لازمی جز قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''نعت سرکار دو عالم کے اوصاف و محامد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حسن و جمال اور ان کی مجسم فیض شخصیت سے والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔''

نعت کی جامع تعریف کرتے ہوئے احسان دانش کہتے ہیں کہ:

''نعت حضور کی سیرت اور زندگی کا بیان ہے جس میں امت سے ان کی محبت و شفقت کے علاوہ ذات و صفات کے محاسن اور ان کے والہانہ عشق کا اظہار ہوتا ہے۔''

لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر نعت کی تعریف متعدد اہل قلم اور ناقدینِ نعت نے مختلف انداز میں کی ہے۔ نعیم صدیقی لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

''ہر وہ شعری کاوش نعت میں داخل ہے جس کا مرکزی سر چشمہ تخلیق محبتِ رسول ہو حتیٰ کہ آزاد نظم کی کوئی لمبی بیل ہی کیوں نہ ہو اسکی روح بھی اگر جذبۂ عقیدت رسالتؐ ہے تو اس کا ہر پھول اسکی ہر پتی کونپل نعت کی تعریف میں

شامل ہے چاہے شاعر نعت کے مخصوص ارتسامات اور اصطلاحات کو چند ہی بار استعمال کرے نفس مضمون نعتیہ ہونا چاہیئے۔اس کے ساتھ ایسی مدحتی نظموں یا غزلوں کو نعت رسول کی تعریف میں لکھنے کی کوئی گنجائش نہیں پاتا جن کا تعلق صریحاً جناب رسالتمآبؐ سے نہ ہو بلکہ ان پر بہ آسانی ایک نام کی جگہ دوسرا نام رکھا جاسکے۔"

نبیؐ برحق کی ذات اقدس سے عشق والہانہ کو نعت کی بنیادی شرط قرار دیتے ہوئے ممتاز حسین نے لکھا ہے کہ:

"میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور کریمؐ کی ذات گرامی سے قریب لائے جس میں حضور کی مدح ہو یا حضورؐ سے خطاب کیا جائے۔صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکر نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے مقصد نبوت سے دلبستگی پائی جائے جس میں جناب رسالتمآب سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ حضور کی شخصیت سے ایک قلبی تعلق موجود ہو وہ مدح یا خطاب بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ اور وہ شعر نظم ہو یا غزل،قصیدہ ہو یا مثنوی، رباعی ہو یا مثلث، مخمس ہو یا مسدس اس سے نعت کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دار و مدار اس کے نفس مضمون پر ہے۔اس کا مقصد ذاتِ رسالتؐ کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دو جہاں کی بعثت کی جو اہمیت نوع انسان اور جملہ موجودات کے لیے ہے۔اسے نمایاں کرنا ہو تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کی مستحق ہے۔"

نعیم صدیقی اور ممتاز حسین نے نعت کی تعریف کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ بنیادی شرائط

اور معیار کی نشاندہی کی ہے بلکہ اس نازک سی حدِ فاضل کی بھی وضاحت کردی جو مذہبی، اخلاق اور اسلامی شاعری اور نعتیہ شاعری کے درمیان موجود ہے اور جس کے بغیر مذہبی اور نعتیہ شاعری میں خط امتیاز کھینچنا بہت دشوار ہے اس سے معلوم ہوا کہ نعتیہ شاعری صرف اس منظوم کلام کو کہیں گے جس کے شعری پیکر میں نبیٔ برحق کا کوئی ایسا جلی یا خفی حوالہ موجود ہو جس کا تاثر ہمیں رسول اکرم کی طرف لے جائے۔ گویا نعت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس میں نبیٔ برحق کا اسم گرامی ظاہری طور پر لیا جائے یا آپ کے مقامات اور مناسبات کا لازمی طور پر ذکر کیا جائے۔ نعتیہ اشعار کی فضا ایسی ہونی چاہیئے کہ اس کا تاثر ہمیں نبیٔ برحق کی ذات گرامی، آپ سے منصب نبوت، کار رسالت، سیرت و سوانح یا جذبۂ عشق رسول کی طرف لے جائے مثلاً علامہ اقبال کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　تیرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

یا حنیف اسعدی کا یہ شعر ہے۔

پھر اس دیار کرامت اثر میں لے کے چلو　　جہاں کی خاک پہ جھکتا ہے دل بھی سر کی طرح

ان دو اشعار میں اگرچہ برحق نبیٔ کے اسم گرامی اور آپ کے متعلقات اور مناسبات مثلاً رسالت، نبوت، وحی، قرآن، حرا، حدیث، گنبدِ خضریٰ اور صحابۂ اکرام وغیرہ کا براہِ راست تذکرہ نہیں مگر ان کی مجموعی فضا میں جس والہانہ شوق کا اثر ابھرتا ہے وہ نبی برحق کی ذات گرامی کے مختص ہے۔ اسی لیے ان اشعار سے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں خارجی حوالوں کے حوالے سے بغیر بھی نعت کی فضا موجود ہے چنانچہ اردو کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سی ایسی منظومات پر نگاہ پڑتی ہے جس کا عنوان نعتیہ نہیں لیکن اس کے باوجود اپنی داخلی فضا اور اجتماعی تاثر کی بناء پر یہ نعتیہ منظومات کہی جائے گی گویا غزل کی طرح نعت بھی بے عنوان ہوسکتی ہے یا اس پر غیر نعتیہ عنوان بھی ہوسکتا ہے۔ غرض یہ کہ نعت نگاری، قطعات، مثنوی، مسدس کے طرح ہو یا سلام یا رباعیات کی شکل میں، ایک نہایت مشکل اور بہت نازک کام ہے۔ اس کے لیے علم و دانش ہی کی

نہیں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جذبے، زبان و بیان کی باریکیوں سے آگاہی اور آداب مدح رسول سے واقفیت بھی ناگزیر ہے اگر یہ متاع گراں بہا میسر نہ ہو تو نعت میں وہ بات پیدا نہیں ہو سکتی جسے تاثیر و تاثر، سرمستی شوق اور والہانہ پن کہتے ہیں دراصل جادۂ نعت نگاری کو سلامت روی اور پوری پوری احتیاط کے ساتھ طے کرنا اس وقت تک امکان نہیں جب تک تائید ایزدی اور حضور اکرم کا فیض روحانی چراغ راہ نہ ہو لیکن ایک طرف تو مدحت ہے اس مخبر صادق، حبیب کبریا، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کے بارے میں خود خالق ارض و سما کا ارشاد ہے ورفعنالک ذکرک (ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا) اللہ تعالیٰ جس سے مخاطب ہوں تو اس طرح یا ایھا المزمل (اے کملی والے) یا ایھا المدثر (اے چادر والے) جسے قرآن میں معلم کتاب و حکمت، مبشر و منذر اور داعی الی اللہ کہا گیا ہے اور ایک جانب ہیں محبوب رب العالمین، ختم المرسلین کے وہ ادنیٰ غلام جنھیں رب ذوالجلال واکرام نے علم شعر سے نوازا ہے جو بادۂ حب رسول سے سرشار رہ کر آپ کی مدح و ثناء میں مشغول و منہمک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کلام کو روانی اور وجدان کو تابانی عطا فرمائے۔ اللہ ہی کی مدد کے بغیر نعت گوئی کا واقعی حق ادا نہیں ہو سکتا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نعت، ادب کی مشکل ترین صنف سخن ہے۔ اس پل صراط سے گذرتے ہوئے اچھے اچھے قادر الکلام بھی کانپ اٹھتے ہیں وہ شاعر یا فن کار جس کا سینہ حب رسول سے مالا مال ہو وہی اس فن کے لوازمات سے اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

نعت گوئی یا مدحت سرائی رسول، اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ نعت قلم بند کرنے والی کی عزت و توقیر بڑھانے اور اس کی ہمت افزائی اور مدد کرنا سنتِ رسول ہے اس لیے کہ خود سرور کونین حضور اکرمؐ نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو اپنے سامنے منبر پر بٹھا کر نعت کے اشعار سماعت فرمائے ہیں اور ان کو جنت کی بشارت دی ہے۔ نعت گوئی میں خصوصی احتیاط کی اشد ضرورت ہے ورنہ اشعار میں شرک اور بدعت کا رنگ پیدا ہو جانے کا زبردست خطرہ ہے اس لیے نعت گوئی اپنے تخلیق کاروں کو

حد ادب سے تجاوز نہیں کرنے دیتی۔ اس میں ایک جانب شریعت ہوتی ہے تو دوسری جانب جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔ ان دونوں منزلوں سے جو لوگ کامیابی سے عہدہ برآ ہوجاتے ہیں وہ دراصل باکمال نعت گو کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس میں اس امر کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے کہ خلوص عقیدت کے ساتھ اظہار خیال نہایت مناسب وموزوں الفاظ میں کیا جائے۔ زبان سادہ اور تصنع سے پاک ہو۔ فنی آداب کے ساتھ خلوص دل سے اظہار عقیدت کی بہار دکھائی جائے۔ نعت گوئی جہاں باعث اجر وثواب ہے وہیں باعثِ تسکین روح بھی ہے۔ یہ سعادت صرف صاحب دل کو حاصل ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہوتا ہے۔

این سعادت بزور باز ونیست

تا نہ بخشد خدای بخشندہ

یوں کہنے کو نعت صرف ایک سہ حرفی لفظ ہے۔ نعت 'ن، ع، ت' عربی زبان ایک مصدر ہے۔ نعت میں اس کا مطلب کسی شخص میں قابل تعریف صفات کا پایا جانا ہے۔ یوں تو عربی زبان میں متعدد مصادر تعریف وتوصیف کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں مثلاً حمد اللہ تبارک تعالیٰ کی تعریف کے لیے مخصوص ہو گیا ہے اور نعت حضور سرور کائنات کی مدح وثناء کے لیے مستعمل ہو کر مختص ہو گیا۔ یہ نعت گوئی نہایت نازک صنفِ سخن ہے۔ رسول اکرم کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شخصیت پاک کا ذکر، اوصافِ مبارک اور کردار مقدس کو اشعار میں بیان کرنا معمولی اور آسان کام نہیں اس کے پورے لوازمات وشرائط سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے۔ نعت گو شاعر کا صاحبِ بصارت و بصیرت ہونا لازم ہے اس کے بغیر صحیح نعت گوئی ممکن نہیں ہے۔

☆☆☆

نعت گوئی کے بنیادی لوازمات اور محاسن

نعت کے لغوی معنی ہیں قابل تعریف صفات کا کسی شخص میں پایا جانا۔ فارسی اور اردو کی شعری اصطلاح میں نعت صرف اور صرف رسول اکرم کی مدح وثنا کو کہتے ہیں۔ رسول اکرم کی ذات صفات سے محبت وعقیدت کا قلبی اظہار کرتے ہوئے عربی، فارسی اور اردو کے کئی خوش فکر شعرائے کرام نے میدان نعت میں اپنی اپنی بساط کے مطابق جولانئ فکر کے جوہر دکھائے ہیں۔ نعت گوئی دراصل سنت خداوندی ہے اور یہ نعت عظمیٰ سب کے حصے میں نہیں آتی ہے۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات حضور اکرمؐ کے شان میں نعتیں ہی تو ہیں اسطرح نعت گوئی یا مدح سرائی رسول اللہ کی سنت ہے۔ پورا قرآن مجید مدحت رسالتمآب سے معمور اور مجلیٰ ہے لہٰذا نعت گوئی کا فریضہ اعلان قرآنی کے عین مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کی صفات، اسوۂ حسنہ اور عظمت کی خود مدح فرمائی ہے۔ کسی انسان کے بس میں یہ بات کہاں کہ اس ذات اقدس کی قرار واقعی مدح سرائی کر سکے۔

بقول ڈاکٹر منشاؔ

کیا اپنی زباں کیا اپنا قلم کیا زور بیاں کیا حسنِ رقم
کیا ہم سے بیاں ہو توصیفِ حسنات مدینے والے کی

مختلف احادیث نبوی اور تاریخ اسلام گواہ ہے کہ نعت گوئی کی ابتداء حضور کے دور مبارک سے ہوئی ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے نعت گوئی کے ذریعے حضور اکرم کی محبتوں سے اپنا دامن بھر لیا اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے ایک مثال قائم کر دی۔ اسی کے تحت عربی اور فارسی میں نعتیں بڑی کثرت سے کہی جانے لگیں۔ اردو میں بھی یہ روایت اسی کے بعد قائم ہوئی۔ اردو کے شعراء زمانۂ دراز سے نعت کی صنف کا حق ادا کر رہے ہیں۔ عصر حاضر میں بھی شاعروں کی خاصی تعداد نعت گوئی میں مصروف ہے۔ حقیقت تو یہ کہ نعت گوئی جہاں باعثِ اجر وثواب اور موجب خیر و برکت ہے وہیں باعثِ تسکین روح بھی ہے۔ یہ سعادت صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جس پر اللہ

تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہو۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدای بخشندہ

وہ شخص جس کا دل سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت سے لبریز ہو وہیں فرطِ عقیدت کے ساتھ اس میدان میں قلم اٹھا سکتا ہے۔ صنف نعت گوئی اپنے تخلیق کار سے توازن فکر، خلوص مندانہ عقیدت اور استحکام بیان کا تقاضہ کرتی ہے۔ اس کا راستہ سخت دشوار گذار ہے۔ ذرا سی نگاہ چوکی اور قدم لڑکھڑائے تو نیکی برباد گناہ لازم آتا ہے۔ دراصل نعت گوئی دو دھاری تیز تلوار پر چلنے کے مصداق ہے۔ شعر و سخن کے صنف میں درحقیقت سب سے زیادہ نازک صنف نعت گوئی ہے۔ وہ ذات مقدس جس پر خود خالق کائنات درود و سلام بھیجے اور اس کے پاک فرشتے جس کی توصیف کریں جس کے لیے کائنات تخلیق کی گئی ہو۔ آسمان کو بلندی، دریاؤں کو وسعت اور مہر و ماہ و نجوم کو تابانی بخشی گئی ہو اس کے حضور کچھ عرض کرنے کی جرأت کے لیے بھی احتیاط، ہوش مندی اور فرزانگی کی ضرورت ہے۔ بارگاہِ رسالت مآب میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے چشم طلب کی تھوڑی سی لغزش بھی جرمِ وفا کے برابر ہے یہاں سجدۂ شوق کی اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کا اظہار صرف نگاہوں سے کیا جائے۔ شریعت کا اتباع کامل اور مقام نبوت کی عظمت کا عرفان حاصل ہونے کے بعد ہی نعت گوئی کی منزل طے ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے اگر بے پایاں عشق نہیں سینہ میں جذبۂ ایمانی اور دل میں نورِ محمدی نہیں تو نعت گوئی کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ آج کے دور میں جب عشقیہ شاعری عام ہے اور نعت گوئی کا رجحان نسبتاً کم ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے شعراء کا نعتیہ کلام لائق تحسین ہے جن کے اشعار میں تخیل کی پاکیزگی، درد و اثر اور سوز و تپش پوری طرح موجود ہے جو اپنے جذبات عشقِ محمد کا اظہار نہایت ضبط و توازن اور احتیاط کے ساتھ کرتے ہیں، جن کے یہاں خیال کی بلندی اور فکر کی پختگی استادانہ رنگ لیے ہوئے ہوتی

ہے۔ جن کے نعتیہ کلام میں ایک والہانہ کیفیت، ایک نیا آہنگ، ایک دلکش لئے ایک نئی تڑپ اور ایک نئی فضا کا احساس پایا جاتا ہے جن کی نعتوں میں ایمان کی پختگی، تاثیر ونفوذ، فن کی عظمت اسلوب کی دلآویز اور عقیدت کے جذبات کی شدت ہر شعر میں نمایاں نظر آئے اور عقیدت کے ان پھولوں کی نکہت بیزیاں سدا بہار اور پائیدار رہوں۔

یہ امر مسلمہ ہے خداوند عالم نے اپنے محبوب کے ذکر کو کثیر کر دیا ہے۔ ''ورفعنالک ذکرک'' کی آیت کریمہ اس امر کی ضامن ہے۔ نعت رسولؐ اسی ذکر کثیر کا ایک حصہ ہے۔ اس حصہ میں ہر شاعر اپنے حسب مقدور اضافہ کرتا جاتا ہے۔ ہماری تاریخ زبان وادب بتاتی ہے کہ فن نعت گوئی نے کئی منازل طے کیے ہیں۔ مولانا حالیؔ، محسن کاکورویؔ، علامہ اقبالؔ، ظفر علی خانؔ کی سلیقہ مندی اور فنکاری کی بدولت یہ صنف نعت گوئی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی ہے۔ ان کے کلام بلاغت نظام کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ نعت گوئی کے لیے صرف فنی مہارت، علمی لیاقت اور استادانہ قدرت کلام ومشاقی ہی نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ مقام نبوت کے صحیح عرفان، پیام نبوت کا سچا وجدان، مرتبہ دانی اور ادب شناسی کے ساتھ ساتھ ہوشمندی واحتیاط بھی ضروری ہے جس کی وجہ سے توحید ورسالت کے حدود ملحوظ رہتے ہیں اور اظہار عقیدت کا جذبہ غلو ومبالغہ سے پاک رہتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ نبوت محمدیؐ اور اسلام کے عالمی پیغام کا ادراک واحساس اور عالم انسانیت کے لیے اسکی ابدیت ؤ دوامیت اور اسکی اہمیت اور مرکزیت کا پورا عرفان بھی ناگزیر ہے جسکے ذریعے نبوت محمدیؐ کی وسعت اور بین الاقوامیت اور اسکے لافانی مضمرات وامکانات آشکار ہوتے ہیں اور نبوت کی عظمت کے ساتھ ہی ذات نبوی کی عظمت ورفعت اور اسکی بلندی وبرگزیدگی کا احساس پورے شعور وآگہی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ اس مرتبہ دانی ومقام شناسی ذات محمدؐ کے بعد نعت گو جو کچھ کہتا ہے وحسن عقیدت کے پہلو بہ پہلو علم وعرفان، معرفت اور بصیرت کا بھی عطر مجموعہ ہوتا ہے اس میں عقیدت، خلوص وصداقت، ایقان ووجدان کی قابلِ قدر خوبیاں جلوہ گر نظر آتی ہیں۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ نعت گو حضرات جذبات کی رو میں حدودِ آداب واحترام سے گذر جاتے ہیں اور نعتیہ شاعری میں ایسے ایسے خیالات عاشقانہ انداز میں ادا کرتے ہیں کہ ان کی نعتیں عشقیہ کلام کا نمونہ تو ضرور بن جاتی ہیں مگر اس قابل نہیں رہ پاتی کہ سرورِ کونین کی مداحی کا حق صحیح طور پر ادا کر سکیں۔ نعت گوئی درحقیقت بہت ہی نازک ترین آداب، عقیدت ومحبت کی متقاضی ہے۔ اس میں الفاظ وتراکیب کے علاوہ لب ولہجہ بھی اس قسم کا ہونا چاہیئے جو عین شایانِ شان محبوب ربانی ہو۔ یہاں صرف عاشقانہ الفاظ استعمال کرنے یا قادر الکلامی کے جوہر دکھانے یا مشاقی سخن کی کرتب بازی سے کام نہیں بنتا۔ نعتیہ کلام کیلئے خلوص قلب اور پاکیزہ ترین جذبۂ عقیدت شرط اولین ہے۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ نعت گوئی فن شیشہ گری سے کم نہیں یہ بڑا ہی نازک اور بے حد مشکل ترین فن ہے۔ اس میں ذات رسول اکرمؐ کے ساتھ والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے وقت آپ کے محاسنِ ذات وصفات کے بیان میں مبالغہ آرائی کی وجہ سے شرک کے حدود میں داخل ہونے کا اندیشہ لاحق ہوجاتا ہے بقول عرفی شیرازی۔

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحرا　　ہشدار کہ رہ بردم تیغ است قدم را

خدااور رسول کے درمیان جو فرق ہے اسے ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہر نعت گو شاعر کے لیے از بس ضروری ہے ہمارے شعرائے سلف نے خواہ فارسی کے ہوں یا اردو کے، سلاطین اور امرائے دربار کی شان میں جو قصیدے لکھے ہیں وہ مبالغہ آرائی بلکہ غلو کا شاہکار ہیں لیکن نعت میں مبالغہ اور غلو تو کجا کسی نوع کی افراط تفریط کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں تو لفظوں، تشبیہوں اور استعاروں کے انتخاب میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری اور اس کی وجوہات

نعت اپنے موضوع کی عظمت کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے عقیدت و ایمان کا مظہر اور غیر مسلموں کے لیے قومی و مذہبی یکجہتی کی علامت ہے۔ غیر مسلم شعرا کی نعتوں میں دو خیالات و جذبات خاص طور پر ملتے ہیں۔ ایک بڑا گروہ ایسا ہے جس نے حضرت محمد کو پیغمبر برحق ہی نہیں بلکہ پیغمبر آخرالزماں تسلیم کر کے آپ کو گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں اور آپ کی تمام صفات عالیہ اور اسوۂ حسنہ کا ذکر بلیغ انداز میں کیا ہے۔ بعض نے تو صرف انسان کے طور پر آپ کو پرکھا ہے اور یقین کا اعلان کیا ہے کہ جذبات انسانی کا کامل نمونہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ صرف آپؐ ہی کی ذات مبارکہ ہے۔ پہلے نقطۂ نظر میں عقیدت ہے تو دوسرے میں تفکر اور یہ دونوں باہم مل جائیں تو نعت گوئی کی معراج بن جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے غیر مسلم شعرا اور ان کا کلام نہ صرف قابلِ داد ہے بلکہ دعوت فکر کا سبب بھی ہے۔ جب غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کا جائزہ مختلف ادوار کے تعین کے ساتھ لیا جاتا ہے تو ہمیں ہر دور میں قابلِ ذکر شاعروں کی اچھی خاصی نمایاں تعداد نظر آتی ہے۔ دور متوسط میں پہلے غیر مسلم شعرا منشی شنکر لال ساقیؔ اور راجہ مکھن لال مکھنؔ اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ان دونوں شاعروں نے نعت گوئی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ دور جدید کے شعراء میں مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ، للورام کوثریؔ، بال مکند عرشؔ ملسیانی اور دور حاضر کے مشہور شعرا میں علامہ امر چند متینؔ جالندھری، پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ، پیارے لال رونقؔ دہلوی، کالی داس گپتا رضاؔ اور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، اوم پرکاش ساحرؔ ہوشیار پوری، گرسرن لال ادیبؔ لکھنوی، رانا بھگوان داس بھگوانؔ، پچھمی نارائن سخاؔ میرٹھی، دامودھر راؤ ذکی ٹھاکرے نے ملکی سطح پر شہرت حاصل کی۔ ان کے علاوہ ایلن جان۔ مخلص بدیوانی پہلے مسیحی شاعر ہیں جن کا ہدیۂ عقیدت بنام ''گلدستۂ نعت'' ۱۹۳۹ء میں بدایوں

سے شائع ہوا اور دوسرے مسیحی شاعر نظیر قیصر ہیں جن کا مجموعۂ نعت ''اے ہوا موجزن ہو'' لاہور سے ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آیا۔ نعت ایک ایسی صنف سخن بھی ہے جس کی حدود شناسی کو نازک ترین کہا گیا ہے۔ مسلمان شعرا نے بھی کہیں کہیں ان حدود کا خیال رکھا ہے، لیکن یہ امر خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام میں حفظ مراتب کا خیال بدرجہ اتم موجود ہے ان کی اکثر نعتوں کے ایک شعر میں بھی مسلمانوں کی مشکوک اور مجہول روایتوں کا سہارا نہیں لیا گیا جن سے بعض مسلمان شعرا اپنے کلام کو مزین یا ملوث کرتے ہیں۔ غیر مسلموں کے نعتیہ اشعار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ ضرور کیا ہے اور حضرت محمدؐ کے پیام اور عمل کو انسانیت کا رہنما سمجھتے ہیں۔ غیر مسلم شعرا کی نعتیہ منظومات مسدس اور مخمس وغیرہ میں سیرت کے بعض واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ وہ محض رسمی نہیں ہیں۔ ان کے لفظوں کا زیر و بم بتاتا ہے کہ ان کے قلبی محسوسات کیا ہیں۔ یہ بڑی حد تک اعلیٰ انسانی اور آفاقی اقدار کی وجہ سے ہیں جو رسول ہاشمیؐ کی شخصیت اور پیغام عمل سے ثابت ہیں ورنہ یونہی کوئی اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے دوسرے مذہب کے بارے میں ایسے خیالات جو صادق بھی ہیں، پیش نہیں کرتا۔ اس اظہار کے لیے نہ صرف اپنی انا کی قربانی دینا ہوتی ہے بلکہ خاندانی اور معاشرتی دباؤ کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور بہت سے معاشی مسائل بھی پیچیدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لیے سیرتِ پاک میں غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کا جواز تسلیم کی جائیگی۔

رسول اکرمؐ کی ذات مبارک ہر دور میں تمام مخلص انصاف پسند، نیک دل، غیر جانبدار انسانوں کے لیے باعث صد احترام و عقیدت رہی ہے۔ جس کسی نے بھی آپؐ کی حیات مبارک اور تعلیمات کا مطالعہ کھلے دل کے ساتھ کیا، وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، چاہے وہ ہندو ہو، عیسائی ہو، سکھ ہو یا کوئی اور ہو۔ اردو نعت کو تمام محققین نے اپنی تصنیفات میں غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کے محاسن اور

رسالتمآب کے حسن سیرت کا اعتراف کیا ہے بعض مصنفین نے اپنی کتب میں اس حوالے سے ایک الگ باب رکھا ہے۔

آغاز:

یہ امر مسلمہ ہے کہ غیر مسلم شعرا کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہو چکا تھا اور مسلمان شاعروں کی طرح ہندو شاعروں نے عقیدت و محبت کے اظہار کے لیے حضورؐ کی سیرت اور نعت کو بھی اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے۔ لکشمی نارائن شفیقؔ کا 'معراج نامہ'، راجہ مکھن لال مکھنؔ کا نعتیہ کلام اس اظہار عقیدت کے نمونے ہیں۔ غیر مسلموں کی نعت سے دلچسپی کے وجوہات بھی مختلف بیان کی گئی ہیں۔ ہندو شاعروں کی نعت گوئی کا حقیقی دور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہوا۔ عصر جدید میں متعدد ایسے غیر مسلم شاعر ملتے ہیں جنھوں نے مقدار اور معیار ہر اعتبار سے اس روایت کو آگے بڑھایا ہے اس کے بہت سے سیاسی اور معاشرتی عوامل ہیں، ایک بڑی وجہ رواداری کی فضا ہے جو جنگ آزادی کے بعد ہندو مسلم قوموں میں پہلے کی نسبت کچھ نمایاں ہو گئی تھی۔ انگریز کے خلاف جنگ آزادی میں اگرچہ مسلمانوں نے بہت بڑا کردار ادا کیا ہے مگر بعض جگہ ہندو بھی مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑے۔ اس کے بعد کی دوسری آزادی کی جنگ، جو قریب ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہے، میں منزل اور مقصد کی ہم آہنگی دونوں ہی قدر مشترک رکھتی ہے۔ مخلوط معاشرہ میں اگرچہ مسلم ہندو تعلقات میں ایک کشیدگی بھی ہمیشہ رہی اور دونوں قوموں کی تہذیب و تمدن میں اگرچہ واضح اختلاف رہا اس کے باوجود اہل فکر و قلم کے حلقوں میں ایک رواداری کی فضا ملتی ہے۔ جدید علوم اور برصغیر کی بدلتی ہوئی معاشرت میں مذہبی عصبیتوں کا جوش و شدت ذرا کم پڑی تو اس رواداری میں اضافہ ہوا۔ علامہ اقبال کی 'نیا شوالہ'، نانک رام سوامی تیرتھ پت لکھی ہوئی نظمیں اس رواداری کی علامت ہیں۔ رواداری اور یگانگت کے اسی جذبہ کے فروغ کے لیے بعض ادبی،

سیاسی اور مذہبی وثقافتی اجتماعات میں ایک دوسرے کے مشاہیر کو خراج عقیدت پیش کرنے کا رواج ہوا۔ ہندو شاعروں کے یہاں نعت گوئی کے ذوق کو اسی ماحول میں جلا ملی۔ ان معاشرتی اور سیاسی عوامل میں سب سے بڑھ کر رحمت اللعالمین کی ذات گرامی ہے جن کی سیرت و کردار اور پیام نے اہل فکر لوگوں کو خاص طور پر متاثر کیا اور انھوں نے اپنے تاثرات کو قلمبند کر کے اس روایت کو مستحکم کیا

غیر مسلم شعرا کا ہمارے سرکار کی تعریف وثنا میں رطب اللسان ہونا چھوٹی بات نہیں۔ خاص طور پر اس صورت حال میں کہ مسلمان شعرا نے ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں کی تعریف میں زیادہ نہیں کہا۔ یہ صورت حال متحدہ ہندوستان میں بھی تھی، اب بھی ہے۔ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد کے بعد جذب وقبول کے اثرات کے تحت جہاں بے شمار ثقافتی رسوم کو مسلمانوں نے قبول کیا وہیں اسلام کے زرین اصولوں اور تعلیمات نے ہندو ثقافت، تہذیب اور فکر پر اپنے گہرے نقوش ثبت کیے۔ اردو مسلمانوں اور ہندوؤں کے تہذیبی سنگم کی بہترین مثال ہے۔ اس سنگم میں دونوں قوموں کی فکری و عملی قدروں کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے محسنوں میں ہندو اور مسلم یکساں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ مسلم مجاہدین اور صوفیائے کرام نے اپنے قول وعمل سے جس تصور الہٰ اور تصور رسالتمآب کا تعارف کرایا اس سے دین اسلام کی ترویج واشاعت ہوئی۔ بہت سے لوگ اپنے قدیم دھرم کو چھوڑ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے جن لوگوں پر تبلیغ کا اثر نہ ہوا انھوں نے اسلام کے تصور الہٰ کو قبول نہ کرنے اور اپنے دھرم پر قائم رہنے کے باوجود مرتبۂ ذات رسولؐ سے انکار نہیں کیا بلکہ رسول اکرم کے ساتھ اپنی شگفتگی کے اظہار میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ قدیم اردو تحریروں میں ہندو بھی مسلمانوں کی طرح محمد صلی اللہ علیہ رسول کریم لکھا کرتے تھے۔ اور خدائے بزرگ و برتر کی توصیف کے بعد نعت کے طور پر کچھ ضرور لکھتے تھے۔ یہ التزام پنڈت دیا شنکر نسیمؔ کی مثنوی اور منشی طوطا رام شایاںؔ کی داستانِ امیر حمزہ میں بھی ملتا ہے، بعض ہندوؤں نے مسلمانوں کی

ان روایات کو اپنی کتابوں میں قائم رکھا جو اکثر کتابوں میں ملتی ہیں، مثلاً ''بسم اللہ الرحمن الرحیم''، ''الحمد اللہ''، ''صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی لکھتے رہے ہیں۔ اسکے علاوہ اپنے آپ کو بلب گور وغیرہ لکھنا کثرت کے ساتھ کتابوں میں آتے ہیں۔ اگر مصنف کا نام معلوم نہ ہو تو بمشکل پتہ چل سکتا ہے کہ مصنف کوئی ہندو ہے۔

غیر مسلموں کی نعت گوئی کا پس منظر:

ہندوستان کی سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسلامی روایات کا پاس رکھنے والے افراد نے یہاں صرف مذہب اسلام کی آبیاری نہیں کی بلکہ یہاں کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے اسلام کے روح رواں رسول اکرمؐ کے بارے میں ایسا تاثر دیا کہ اس ملک میں بسنے والے دیگر طبقات کے متعلق افراد نے بھی سچے محسن انسانیت کی طرز زندگی اور اخلاق وعادات کو اپنی زندگی کا خاصا بنایا اور جب شعر گوئی کی طرف رغبت اختیار کی تو مدحِ رسولؐ کے ایسے جوہر دکھائے کہ بے ساختہ ان کی وابستگی پر داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ علم وادب کے میدان میں فارسی کو بھی دخل رہا ہے اس لیے جہاں مسلمانوں نے اپنی عقیدت وجذبات کا اظہار رسول اکرمؐ کے نعتیہ اشعار کی صورت میں کیا۔ اردو ادب سے گہری وابستگی اور اس ادب کے روحانی افکار کے اثرات کے سبب ہندوؤں نے بھی اچھا خاصا نعتیہ ادب پیش کیا۔ مسلمانوں نے غیر مسلم تہذیب پر جو اپنے تاثرات مرتب کیے اور دیگر غیر مسلموں نے اسے قبول کیا۔ یہ اسلام کی پاکیزہ اور نورانی تعلیمات کا اثر تھا جو ہر خرافات سے پاک کلامِ طیّب وطاہر تھا۔

غیر مسلم شعرا اس کثرت اور تیزی کے ساتھ نعت گوئی کی طرف کیوں مائل ہوئے؟ یہ سوال ذہنوں میں ضرور ابھرتا ہے۔ اس ضمن میں پہلا حوالہ خود سرکار دو عالم کی ذات گرامی ہے جن کے کردار کی بلندیوں نے اپنوں کے ساتھ ساتھ اغیار کو بھی شدت کے ساتھ متاثر کیا۔ تاریخِ انسانیت

ایک کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے جب غیر مسلم دانشور اور محققین تعصب سے پاک ہو کر بانی اسلامؐ کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس معاملہ میں انھیں اور کوئی شخصیت آپؐ کے برابر کھڑی ہوئی نظر نہیں آتی۔ ان کے ذہن اور ضمیر بے ساختہ اس حقیقت کا اعتراف ہیں کہ اسوۂ محمدؐ ہی وہ منارۂ نور ہے جس سے پھوٹنے والی روشنی اقوام عالم کو ابد تک متاثر کرتی رہے گی۔ غیر مسلم شعرا نبی کریمؐ کی مدحت نگاری کی طرف مائل کیونکر ہوئے، اس کے کئی اسباب ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ برصغیر میں اسلام صوفیاء کرام کی تبلیغی اور اصلاحی کاوشوں کی بدولت پھیلا ہے۔ ان صوفیا کی تعلیم محبت، خلوص اور شفقت و عنایت پر مبنی ہے۔ یہ بے سروسامان اللہ والے فقط رحمت ایزدی کے سہارے دور دراز کے علاقوں کو اپنے تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بناتے تھے۔ ان صوفیا اور مشائخ کی بارگاہ میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی حاضر ہوتے بعض تو حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے اور جو اسلام قبول نہ کرتے وہ بھی ان صوفیائے کرام کی عقیدت میں اس حد تک آگے چلے جاتے کہ انھیں صوفیا کے ملجیٰ و ماویٰ حضور اکرمؐ کی ذات مستورہ صفات بے حد محترم و محتشم نظر آتی ہے اور ان کا قلم بے اختیار صنفِ ثناء حضورؐ کے جوہر دکھانے لگتا۔ پھر یوں بھی ہوتا کہ جب شاعر فن شاعری میں اپنی صلاحیتوں کا جادو جگاتا ہے تو وہ اپنے دور کی مروجہ اصنافِ سخن کا جائزہ لیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ تمام اصناف سخن میں اپنی حیثیت کو مستند بنانے کی سعی کرے۔ اس لیے جب بھی غیر مسلم شاعری کے میدان میں آگے بڑھتا ہے تو تمام اسالیبِ سخن کے حوالے سے اپنے فن کا ظہور چاہتا ہے، تاریخ ادب میں ایسے بے شمار نام محفوظ ہیں جنھوں نے غزل، نظم، مسدس وغیرہ کے ساتھ نعت، مرثیہ اور منقبت میں بھی طبع آزمائی کی۔ ان تمام غیر مسلم شعرا کی تخلیقات کو دیکھتے ہیں تو ان میں سے ایک بہت بڑا گروہ ایسا تھا جو دوسروں کی دیکھا دیکھی نعت میں طبع آزمائی کر رہا تھا کہ نعت صنف شاعری کے طور پر ایک تحریک بن چکی تھی اور شاعر اس کو سمجھا جاتا تھا جو کسی بھی صنفِ سخن میں

مطالعہ بھی ہیں اور لائق تحسین بھی۔''

ہندو نعت گو شعرا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہندی الفاظ کے ساتھ ہندی شاعری کے استعارے بھی اپنی نعتوں میں آزادی کے ساتھ استعمال کیے ہیں اور اس طرح اردو کے نعتیہ کلام کو ایک نیا رنگ دیا ہے۔ جسے مسلم شعرا نے بھی شوق سے اپنایا ہے۔ عام طور پر مسلمان نعت گو شعرا کی نعتوں میں پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ اس حد تک جوش عقیدت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ اکثر نبوت اور الوہیت ایک دوسرے میں ضم ہوتی نظر آتی ہے لیکن حیرت انگیز طور پر غیر مسلم حضرات کی نعتوں میں یہ عیب دیکھنے کو کم ملتا ہے۔ ہندو شاعروں نے نعت کہتے وقت سوامی، اوتاری، بالم یا موہن جیسے الفاظ کا استعمال نہیں کیا جو عام طور پر مسلم نعت گو شعرا کے نعتیہ کلام میں پایا جاتا ہے۔

غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام میں جذبات کی حدت بڑی حد تک محسوس ہوتی ہے۔ ان کے پیرائے اظہار میں بے ساختگی اس امر پہ دلالت کرتی ہے کہ وہ صلی علیٰ نعت نہیں کہہ رہے ہیں۔ اکثر ناقدین کی رائے ہے کہ غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کے مطالعے کے بعد بعض شعرا کو غیر مسلم کہنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فن کا اہتمام ہی نہیں اور الفاظ کا حسن ہی نہیں ان کے احساسات اور جذبات کی پاکیزگی اور سچائی بھی دل پر اثر کرتی ہے۔ اکثر غیر مسلم شعرا کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بہت سے حضرات نے قرآن کریم میں حضور اکرم کے مناقب کو بالخصوص پڑھا ہے اس کے علاوہ عرفاء کے بیان کردہ مضامین نعت کا بھرپور مطالعہ کیا ہے اور بلیغ مضامین نعت کو اپنی نعت کا جزو اعلیٰ بنایا ہے وہ شعرا جو مذہب اسلام کے پیرو تو نہیں مگر عشق محمدی سے مست و سرشار ہیں جو ایک اصطلاح غیر مسلم استحسانہ ہمشرب کہا جاتا ہے ان کا کلام دل کے سرور اور آنکھ کے نور کا آئینہ دار ہے۔

☆☆☆

غیر مسلموں کی نعت گوئی پر تنقیدی نظر

پیغمبر اسلام کی ذات وصفات اور آپ کی سیرت پاک کی مدح کا بیان 'نعت' کہلاتا ہے۔ نعت شاعری کی خارجی و داخلی دونوں قسم پر محیط ہے۔ نبی اکرم کے متعلقات وجدانی کیفیات کے تحت شعر و شاعری میں جلوہ گر ہو کر شاعری کی اصطلاح میں نعت کہلاتے ہیں۔ بقول رگھوپتی رائے سہائے فراقؔ، ''آپ کا مقام امت اسلام میں محدود نہیں'' اور کشن پرشاد شادؔ کے لفظوں میں، ''آپ کا لقب سرور جمہور ہے۔'' اس لیے متعدد مذاہب اور مختلف علوم وفنون کے بہترین ذہنوں نے آپ کے حضور نذرانۂ عقیدت نعتوں کی شکل میں پیش کیا ہے۔ وہ شعرائے کرام جو مذہب اسلام سے منسلک نہیں ان کے نعتیہ کلام کا جائزہ لینے پر پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں منبع نعت کے حضور شعری عقیدت کے پھول نہ صرف مسلم شعرا ہی کے ذریعہ پیش کیے گئے بلکہ اس تعلق سے ہندو شعرا بھی ایک خاص نمایاں مقام رکھتے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز کسی نہ کسی شکل میں چل رہا ہے۔ جناب بچھمی نارائن شفیقؔ، پنڈت دیا شنکر نسیمؔ، عزت سنگھ عیشؔ دہلوی، سندر لال شگفتہؔ لکھنوی، راجہ مکھن لال مکھنؔ، منشی شنکر لال ساقیؔ، دلو رام کوثریؔ، پربھو دیال عاشقؔ، گنیش لال خستہؔ، جذبؔ نظامی، ساقیؔ جبلپوری، رامؔ پرشاد کائستھ، گوری پرساد ہمدمؔ، شریمتی بوراتیؔ، بابو شمبھو لال دانشؔ، لالہ تارا چند تاراؔ، راجندر بہادر موجؔ فتح گڑھی، رگھوناتھ خطیبؔ سروری، سوم ناتھ مورونڈوی، سکھدیو پرساد بسملؔ الہ آبادی، لالہ رام چند فلکؔ، قابلؔ لاہوری، تلوک چند محرومؔ، جوشؔ ملسیانی، عرشؔ ملسیانی، رانا بھگوان داس بھگوان، امر چند قیسؔ، منورؔ لکھنوی، دھرم پال گپتاؔ، وفاؔ دہلوی، کرشن بہاری نورؔ، وشنو کمار شوقؔ، ہری چند اخترؔ، فراقؔ گورکھپوری، کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، جگن ناتھ آزادؔ وغیرہ اہل قلم حضرات کے نعتیہ کلام اور ان کے شعری کارنامے قابل ذکر ہیں۔

ان میں سے چند ممتاز اور نمائندہ ہندو شعرا کے نعتیہ کلام کا جائزہ لینا سر دست مقصود ہے۔

لچھمی نارائن شفیق:

دستیاب مواد کی روشنی میں پہلے غیر مسلم ہندو نعت گو ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۷۴۴ء میں ہوئی۔ آپ کو شعر و شاعری کا شوق اوائل عمر سے تھا۔ آپ نے مشہور نعت گو مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کی تھی۔ آپ نے اردو اور فارسی ہر دو زبانوں میں شاعری کی ہے۔ آپ کے تصنیفی سرمائے میں ''گل رعنا'' اور ''چمنستانِ شعرا'' کی زبردست اہمیت ہے۔ شفیق اردو نعت کی دنیا میں ۱۰۶/ابیات پر مشتمل معراج نامہ کی وجہ سے وقیع اہمیت کے مالک ہیں۔ اس معراج نامہ میں الفاظ کا در وبست، تراکیب کا استعمال، زبان کی سلاست و لطافت اور برجستگی نیز ابلاغ و ترسیل میں پاس ادب لائق داد ہے۔ ہندو معتقدات سے وابستگی کی بنا پر ان کی نعتیہ کاوش میں ہندو اور حجازی تہذیب کا گنا جمنی رنگ بے حد دلکش ہے۔ شفیق معراج نامہ میں شب معراج کی سحر آگیں فضا سے اس قدر مسحور ہیں کہ یہ فیصلہ ان کی فطری دسترس کی بساط سے باہر ہو رہا ہے کہ اس رات کو شب و روز کے کس خانے میں رکھیں، کہتے ہیں:

عجائب رات تھی وہ نور افشاں ٭ کہ ہر کوکب تھا اک مہر درخشاں
کہوں گر رات اس کو ہے تامل ٭ کہوں گر دن تو عالم میں پڑے خلل
غرض غفلت سبھوں پر چھا رہی تھی ٭ فرد داروئے حیرت کھا رہی تھی
سفیر نیک پئے پیغام لایا ٭ سلام حق کہا اور یہ سنایا
در حجرہ پہ دو آجوڑ کر بات ٭ کہا سرور تیرے پر حق کی صلوات
چل اٹھ اے شہ کہ ہے معراج تیرا ٭ غنی بھی آج ہے محتاج تیرا

مکھن لال مکھن:

انھیں شعر و شاعری سے فطری لگاؤ تھا آپ کے دیوان میں حمد و نعت، منقبت و مراثی موجود

ہیں۔ موصوف نے اردو و فارسی دونوں زبانوں میں اچھی نعتیں لکھی ہیں ان کا دیوان دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں ۴۸ اور دوسرے حصہ ۵۲ صفحات ہیں۔ پہلے حصے میں چار مسدس ہیں۔ دیوان میں ایک نعت مثمن کی ہئیت میں ہے۔ ان کی نعتیہ تضمین کافی دل آویز ہے۔ مکھن لال کی منبع نعت سے کافی عقیدت اور شگفتگی تھی۔ ان کے نعتیہ سرمائے میں خارجیت کے ساتھ داخلیت کا بھی ازدھام ہے۔ پیغمبر اسلام کے محاسن آپ کے شمائل و فضائل آپ کا رحمت اللعالمین، شفیع المذنبین اور یحییٰ و مادیٰ ہونا وغیرہ جیسے موضوعات مکھن لال کی شاعری میں بنیادی حقیقت رکھتے ہیں۔ اضافی اور توصیفی ترکیبوں نے ان کی نعتیہ شاعری میں کافی اور خاصی جان ڈال دی ہے۔ قرآنی تلمیحات سے کلام میں گیرائی اور گہرائی پیدا کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے ایک نعتیہ مسدس کے تین بند ملاحظہ ہوں:

کیا نبی اور کیا نبوت کی معلا شان ہے　　جس کی صورت ہویدا صورت رحمٰن ہے
ذات جس کی دو جہاں میں منبع احسان ہے　　مدح میں ان کی مقصر طاقت انسان ہے
یا رسول اللہ تم پہ جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے

رحمت اللعالمین ہو یا نبی خیر الوریٰ　　شاہد صادق تمہارے وصف کا قول خدا
ہو شفیع المذنبین اور ہادی راہ ھدیٰ　　کر کرم راہِ سعادت پر مجھے ہو رو نما
یا رسول اللہ تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں میرے ہر گھڑی ہر آن ہے

مکھن لال کی وہ تضمین بھی کافی وقعت کی چیز ہے جس میں موصوف نے سعدیؔ کے نعتیہ قطعہ کو ہدف فکر بنایا ہے۔ کہتے ہیں:

وہ رسول خاص خدا کے ہیں　　وہ چراغ بزم ہدیٰ کے ہیں

وہ محیط صدق و صفا کے ہیں وہ امیر ملک بقا کے ہیں
وہ شفیع جرم و خطا کے ہیں وہ سپہر لطف و عطا کے ہیں

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلو علیہ و آلہ

منشی شنکر لال ساقیؔ:

آپ کی ولادت ۱۰ر ستمبر ۱۸۲۰ء کو سکندر آباد میں ہوئی۔ آپ سہارنپور میں پیش کاری کے عہدہ پر فائز تھے اور ۱۸۹۰ء بعمر ۷۰ رسال راہی عالم بالا ہوئے۔ آپ غالبؔ و مومنؔ کے معاصر تھے اور بہادر شاہ ظفرؔ کے مشاعروں میں شرکت کا فخر بھی آپ کو حاصل تھا۔ آپ نے شعر و شاعری میں غالبؔ اور ان کے خاص شاگرد منشی ہر گوپال تفتہؔ سے فیض حاصل کیا تھا۔ تفتہؔ آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کی دو کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ 'کریما' شیخ سعدی کا ترجمہ جو 'بھاشا' میں نظم ہے۔ اس منظوم ترجمہ کو ساقیؔ کے فرزند رشید منشی کشن سروپ ساغرؔ نے ۱۸۹۲ء اوائل میں زیور طبع سے آراستہ کیا تھا۔ آپ کی دوسری مطبوعہ تصنیف 'انتخاب کلیات' ہے جس چند نعتیں اور غزلیں شامل ہیں۔ ساقیؔ نے محمد اسد کی ردیف میں ایک نعت فارسی زبان میں کہی ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ مشق ختن کی بو بلاشبہ موئے محمد کا عطیہ ہے۔ دیر میں بھی ان کی نماز شرف قبولیت حاصل کر سکیں گی کیونکہ سچے خلوص کے ساتھ ان کا دل کا رخ محمد صلعم کی طرف ہے۔ جامۂ ھندی زیب تن ہے لیکن جسم کی تعمیر خاک یثرب اور خاک کوئے محمد سے ہوئی۔ ساقیؔ نے ایک نعت چاندنی کی ردیف میں معراج سے متعلق اور دوسری 'قندیل' کی ردیف میں نور محمدی کے متعلق کہی ہے، مذکورہ نعت میں ''لو لاک لما خلقت الا فلاک'' اور اول ماخلق اللہ نوری کو لطیف انداز میں بیان کیا ہے:

آیت لولاک سے ظاہر تھی عظمت آپکی
سب سے پہلے تھا یہی نور نہاں قندیل میں

ساقی کی وہ نعت جس کی ردیف ''ہے'' اور جس کی قوافی اوجالا، نکالا، نرالا، وغیرہ ہیں، قابلِ ذکر ہے۔اس میں تعلیٰ اور اعتراف عجز کے مضامین حسین انداز میں نظم کیے گئے ہیں۔

مرا ہر لفظ نعت احمدی سے یکتا ہے　　لکھا جو دائرہ ہے وہ مہ کامل کا ہالا ہے
صفات ذات احد لکھ سکوں کیا میری طاقت ہے　　خیال اہل دانش جب یہاں لکڑی کا جالا ہے

''یہی تو ہیں'' ردیف والی نعت میں استعمال تلمیحات میں حکیمانہ اصطلاحات اور مذہبی اصطلاحات پر شاعر کی ماہرانہ قدرت قابلِ دید ہے۔اس نعت کا وصفی انداز قابلِ ذکر ہے۔

ہے نزول آیت لولاک جس کی شان میں　　باعث اعزاز و جان جہاں یہی تو ہیں
معجزہ شق القمر کا دیکھ کر کہتے تھے سب　　بالیقین دانائے اسرار یہاں یہی تو ہیں

مصرارام داس قابل لاہوری:

انھوں نے ۵۲/اشعار کی ایک لطیف و دلکش نعت فارسی زبان میں کہی ہے جس میں قرآنی و حدیثی تلمیحات کے سہارے معجزات نبویہ نظم کیے گئے ہیں۔داخلیت اور خارجیت کا امتزاج نعت کی دلکشی میں اضافہ کرتا ہے۔

جلوہ گاہِ او زمین و سیر گاہش آسمان　　لا مکان آرام گاہِ لا یزال گوہری
خیل حوران ملائک اختراں و انبیا　　در ہوا و در ثنا و در رضا و در چاکری

لالہ تاراچند تارا:

متوفی ۱۹۰۹ء کی نعتوں میں داخلیت کا وفور ہے۔ان کو نبی اکرمؐ سے شیفتگی کی حد تک عقیدت تھی۔موصوف دلکش انداز میں سوز دروں کے اظہار پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔مختلف نعتوں سے چند چیدہ اشعار درج ذیل ہیں۔

یوں انبیا ہیں میرے پیغمبر کے سامنے　　جیسے چکور ہوں نہ انوار کے سامنے

پرواز مرغ روح کرے میری یا خط
جا کے نبی کے روضۂ اظہر کے سامنے

نہیں تھا جز خدا پہلے کچھ پہلے اے تارا محمدؐ سے
ہوا ہے انتظام دو جہاں سارا محمدؐ سے

وجود عالم امکاں بنا سارا محمدؐ سے
بنا ہے دونوں عالم کی اے تارا محمدؐ سے

مسیحا سے بھی جو ممکن نہ ہوگا روز محشر تک
ہمارے درد دل کا ہوگا وہ چارا محمدؐ سے

لالہ اروڈہ رائے تخلص رائے:

ان کی نعتوں میں سوز دروں کی کارفرمائی اور شگفتگی کا اظہار برملا دیکھنے کو ملتا ہے۔

جلوۂ حسن نبیؐ جاری ہے مثل بحر فیض
یا خدا پائیں گے کب اس سے دراستوار ہم

ذرّے ہو جیسے مہر منور کے سامنے
یوں انبیا ہیں میرے پیغمبر کے سامنے

حضرت بلالؓ عشق نبیؐ میں فدا تھے یوں
بلبل ہو جس طرح سے گل تر کے سامنے

مجھے باغ جہاں میں کچھ نہیں پیارا محمدؐ سے
خدا نے یہ جہاں پیدا کیا سارا محمدؐ سے

نگہباں جس کا خالق ہو کہو پھر اس کو کیا غم ہو
کہا حق نے نہ ہے کوئی مجھے پیارا محمدؐ سے

دلورام کوثری:

آپ کا نام دلورام اور باپ کا نام بھورارام تھا۔ ولادت بشنوئی قوم میں قصبہ نانڈری ضلع عصار میں ہوئی تھی۔ بقول خود وہ پہلے شخص ہیں جس نے اول اول بشنوئی قوم میں تعلیم حاصل کی۔ انٹرنس میں انگریزی تعلیم کے دوران شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ لاہور کے ڈگری کالج میں داخلہ لیا لیکن سلسلہ تعلیم جاری رکھنے میں شعروشاعری کا شوق سدراہ بن گیا۔ مشاعروں میں شرکت کرنے لگے اور جلد ہی کالج چھوڑ چھاڑ کر غزل کی زلف پائے دراز کو سنوارنے میں منہمک ہو گئے۔ کوثری کو مذہبیات سے خاصہ لگاؤ تھا انھوں نے مختلف مذاہب اور ملک، ہندو مسلم، سکھ، مرہٹہ اور آریاؤں کے

متعلق مضمون کی کتابیں لکھی ہیں۔ کوثریؔ کو محمدؐ اور آپ کے اہل بیت سے خاص شغف تھا اور انھوں نے نعت و منقبت میں کافی سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔ کوثریؔ کو حسان العجم کا خطاب حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نے ۱۹۲۸ء میں مرحمت فرمایا تھا۔ موصوف کا انتقال ۱۹۳۳ء میں ہوا۔ موصوف نے اکثر نعتیں عنوانات قائم کر کے لکھی ہیں۔ عنوانات کی بابت ایک خاص بات یہ ہے کہ موصوف نے اکثر و بیشتر نعتوں کے عنوانات کے کسی مصرع کو اٹھا کر حاصل کئے ہیں۔ ان کے نعتیہ سرمایہ میں حسبِ ذیل عنوانات کی حامل نعتیں کافی وقعت رکھتی ہیں۔

۱۔ تو یکتا ہے بعد از خدایا محمد
۲۔ میں ہر دم ہوں ثنا خوانِ محمد
۳۔ اللہ کا دیدار ہے دیدار محمد
۴۔ محبوب الٰہی سے یارانہ ہمارا
۵۔ خدا جب ہے محمد کا
۶۔ ہندو سہی مگر ہوں ثنا خوانِ محمد
۷۔ ہے پائے محمد سر دلو رام
۸۔ محمد کو یارانِ جانی میں رکھا
۹۔ غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے
۱۰۔ شفاعت
۱۱۔ ہندو کی بخشش
۱۲۔ رسول عربی

کوثریؔ نے شہیدی کی مشہور نعت کی زمین میں جس کا پہلا شعر درج ذیل ہے۔ ایک اچھی نعت کہی ہے۔ جس میں تضادی فضا پیدا کر کے ندرت کے ساتھ تیغ مہند کا استعمال کیا گیا ہے۔ شہیدیؔ کی نعت کا پہلا شعر ہے۔

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا | سر دیوان لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا
کرائے ہندو بیان اس طرز سے تو وصف احمد کا | مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغ مہند کا

مداح نبیؐ ہونے کے باعث شاعر کو اپنی کامرانی پر اس قدر ناز ہے کہ جب محشر میں فرشتوں نے داور محشر کو خبر دی کہ اس بت پرست کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے جو احمد مجتبیٰ کی نعتیں لکھتا ہے۔

ہے بت پرست اگرچہ و لیکن ہے نعت گو | احمد کی نعت لکھتا ہے دنیا میں بیشتر

ہے نام دلورام تخلص ہے کوثریؔ | لے جائیں اس کو خلد میں یا جانب سقر

تو خداوند محشر نے یہ حکم صادر فرمایا۔

سنتے ہی ملائکہ سے اک انوکھی بات | فرمایا ذوالجلال نے جنت ہے اس کا گھر

اس پر شاعر کہتا ہے:

اللہ اکبر احمد مرسل کا یہ لحاظ | کی حق نے لطف کی سگ دنیا پہ بھی نظر

کوثریؔ نے خارجی اور داخلی دونوں طرز ہائے بیان کی استعداد سے اپنے شاعری کے سلک میں گران بہا نعتیہ موتی پرو دیے ہیں۔ موصوف معجزات نبویہ کا دقیع علم اور مذہبی و تاریخی تلمیحات پر قابل ذکر دسترس رکھتے تھے اور انھوں نے ان معلومات کے سہارے اپنے کلام میں چار چاند لگائے ہیں۔ ان کی نعت ''رسول عربی'' سے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

مختار کائنات تھے لیکن یہ زہد تھا | بوسیدہ بوریا رہا بستر رسول کا

انگلی کے اک اشارے سے شق القمر کیا | کتنا ہے اختیار فلک پر سول کا

قرآن پاک معجزۂ بے مثال ہے | دنیا میں فیض ہے یہ برابر رسول کا

سایہ نہ تھا جناب پیمبر کا اس لیے | کوئی زمانے میں نہ تھا ہمسر رسول کا

کوثریؔ کے یہاں تلمیحات کا استعمال ایک خاص سلیقگی اور محتاط شعور کے ساتھ ہوا ہے۔ چند نمونے ذیل میں درج ہیں:

نبیؐ کے واسطے سب کچھ بنا ہے | بڑی ہے قیمتی جانِ محمدؐ

نبیؐ کا نطق ہے نطق الٰہی | کلامِ حق ہے فرمان محمد

آیا ہے حدیثوں میں نبیؐ نورِ خدا ہے | اللہ کا دیدار ہے دیدار محمد

پیمبر کی انگلی کا ہے وہ نشان | رخ مہ یہ سمجھا جسے خال ہے

کوثریؔ نے اپنی نعتیہ کاوشوں میں اکثر جگہ مداحِ نبیؐ ہونے پر لطیف انداز میں اور جاندار و دلآویز

پیرایۂ اظہار تعلیاں کی ہیں۔ یہ ندرت کہیں کہیں متضاد ماحول اور متعین فضا پیدا کر کے اجاگر کی گئی ہے۔ کہتے ہیں:

ترا کوثری رہتا ہے ہند میں — ہے ظلمت میں آب بقا یا محمد
بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا — میں ہوں ہر دم ثنا خوانِ محمد
کیوں کوثری مجھے ہو طلب عز و جاہ کی — کیا کم ہے شرف ہوں ثنا گر رسول کا
لے کے دلورام کو حضرت گئے جنت میں جب — غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے
نبیؐ کے ہوئے نعت گو دو برابر — کہ دونوں کو ایک مدح خوانی میں رکھا
ہے حسان پہلا تو میں دوسرا ہوں — نہیں فرق اول میں ثانی میں رکھا
خدا نے اسے سونپی محفل عرب کی — مجھے بزم ہندوستانی میں رکھا
لکھی کوثریؔ عمر بھر ہم نے نعتیں — نہ کچھ اور غم زندگانی میں رکھا
ورق چند ہیں نعت کے میرے پاس — یہی اپنی پونجی یہی مال ہے

کوثریؔ کی ایک خاص ادا یہ ہے کہ انھوں نے اپنے عشق نبیؐ، اپنی دیوانگی پر تعلیاں کی ہیں:

مجھے لوگ کہتے ہیں دیوانہ تیرا — کیوں اور کیا ماجرا یا محمدؐ
محشر میں بچادیں گے نبیؐ مجھ کو یہ کہہ کر — چھیڑو نہ اسے یہ تو ہے دیوانہ ہمارا

کوثریؔ نے عشق نبیؐ سے سرشار ہو کر منبع نعت اور اپنے نام کے مابین ربط تلاش کیے ہیں:

ہے پائے محمد پہ سر دلو رام — یہ نسبت مرے اوج پر دال ہے
جدا کیا نام دلو رام ہے میم محمد سے — تعلق سو طرح کا ہے تشدد سے تشدد کا
محمد اور دلو رام میں نقطۂ نہیں کوئی — کہ ہے مداح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا

مہاراجہ سرکشن پرساد شادؔ:

آپ کے والد کا نام راجہ ہری کشن پرشاد تھا۔ شادؔ کی ولادت ۲۸/جنوری ۱۸۶۴ء میں ہوئی۔

آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے نانا مہاراجہ نگم پرشاد نے بڑی شفقت سے کی۔ آپ کو شعر و شاعری کا شوق اوائل عمر ہی سے تھا۔ جس کا انکشاف آپ کی نعتوں سے ہوتا ہے۔ شاؔد نے مختلف جگہوں پر عشق نبی کا برملا اظہار کیا ہے۔

تسبیح سے بڑھ کر مرا زنار ہے
مشغلہ نعت نبیؐ کا ہے مجھے شکر خدا
بعد مدت کے یہ ہاتھ آیا ہے مقصد مجھکو

آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ 'ہدیۂ شاد' کے نام سے پہلی مرتبہ ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوا جو ۱۹۱ صفحات پر محیط ہے۔ ہدیۂ شاد میں ایک قصیدہ، پانچ سلام، ایک دو غزلیں اور سات مخمس ہیں۔ آپ کو مذہبیات سے گہری دلچسپی تھی اور آپ مذاہب و مشارب پر کافی دسترس رکھتے تھے۔ فن قرات سیکھا تھا، تلاوت کرتے تھے اور گیتا، رامائن اور گرنتھ صاحب سے بھی واقف تھے۔ منبع نعت سے ایک خاص قسم کی والہانہ شگفتگی تھی۔ موصوف کا نعتیہ دیوان کئی بار زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ شاؔد کے نعتیہ کلام میں شامل نعتیہ قصیدہ میں ۷۰/اشعار ہیں۔ تشبیب میں شاعر نے اپنے مقام کی عظمت و رفعت کے مضامین نظم کیے ہیں، گریز میں ندرت اور برجستگی ہے:

ہوں حقیقت میں کیا نہیں معلوم
پر ہوں ایک بندۂ خدائے مغفور
جوش مستی میں کہہ دیا جو کچھ
ہوں میں امیدوار عفوِ مقصود
ساقیا پلا شرابِ طہور
تاکہ ہو جاؤں نشہ میں پھر چور
نعت کرنی ہے مجھے ان کی رقم
ہے لقب جن کا سرور جمہور

مدحیہ اشعار میں واضح پیرایۂ اظہار کا غلبہ ہے جس میں مذہبی مصطلاحات اور قرآنی آیات کا سہارا لیا گیا ہے۔

ذات اس کی مظہر غفار
کیوں نہ امت اسی کی ہو مغفور

بات ہر ایک ہے معجزہ ان کی ہے علوم الدینہ یہ عبور
ان کا کہنا ہے وحی ما یوحیٰ نہ بناوٹ نہ اس میں کچھ ہے قصور

نعتیہ غزلوں میں بے قراری کے مضامین کثرت سے نظم کئے گئے ہیں۔ داخلی جذبات کی ترجمانی قابل قدر ہے۔ شاعر نے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے رسول اکرمؐ کی شان کو اللہ کی شان سے ہم رنگ دکھایا ہے۔

باطن میں ذات ایک ہے ظاہر میں عبد و رب عقدہ کھلا یہ ہم کو شگاف قلم سے ہے
خود ذات ہستی احمد و محمود و محمد آئینہ عرفان میں جو دیکھا شب معراج

کہیں کہیں یہ منبع نعت سے تعشق کا اظہار بالکل اسی طرح کیا گیا ہے جس طرح شاہدانِ مجازی سے کیا جاتا ہے۔

عشق میں زلف محمد سے مری جان چلی یہ پری اڑ کے مجھے ڈس گئی ناگن بن کر
گیسو کی یاد ہے کبھی عارض کی یاد ہے ہے مست اسی خیال میں لیل و نہار دل

شادؔ نے بہت اچھے نعتیہ قطعات بھی لکھے ہیں۔ ایک نعتیہ قطعہ میں اعتراف عجز کا مضمون اس طرح نظم کیا گیا ہے۔

کیوں کر ہو نعت سرور عالی جناب کی ذرّہ سے مدح کیا ہو بھلا آفتاب کی
بعد خدا ہے آپ ہی کی ذات مستطاب وہ شان ہمارے رسالتمآب کی

موصوف نے کئی اچھے نعتیہ گیت بھی لکھے ہیں۔

ہمدمؔ اکبر آبادی:

ان کا نام کنور گوری پرشاد ہے۔ آپ نے اشعار کے ذریعے پیغمبر اسلام سے اپنی شیفتگی اور والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ آپ کی نعتوں میں داخلیت کا وفور ہے موصوف کو اس بات کا شدید

احساس ہے کہ وہ نبی سے گہری محبت اور آپ کی سچی پیروی کی وجہ سے سبھی دلوں کے مکین ہیں۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہیں ساری ادائیں تجھ میں ۔۔۔ دی جگہ اپنے دلوں میں لو سبھی نے مجھ کو

شاعر کو مدح نبی ہونے پر ناز اور بجا طور پر فخر و افتخار ہے۔

کیوں نہ ہو فخر یہ توقیر ہے کیا کم ہمدم ۔۔۔ بخش دی نعت کی جاگیر نبی نے مجھ کو

ان کی تمنا ہے کہ موت آئے تو لبوں پر ذکر نبیؐ ہو اور اگر نبیؐ مدینہ بلائیں تو یہ خوبی قابلِ رشک ہے۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شوق پا بوس لیے چل تو مدینہ مجھ کو ۔۔۔ زہی قسمت کہ بلایا ہے نبی نے مجھ کو

واپسیں دم ہے مجھے ذکر نبیؐ کرنے دو ۔۔۔ دوستو موت کے آتے ہیں پسینے مجھ کو

چشم مشتاق ہے در پر تو ہیں کان آہٹ پر ۔۔۔ ان کے آنے کی خبر دی جو کسی نے مجھ کو

مصر پربھو دیال:

آپ کا تخلص عاشق تھا۔ ان کی وہ نعت جو ترکیب بند کی شکل میں ہے خاص وقعت کی چیز ہے۔ اس نعت میں تیرہ بند ہیں، ہر بند میں دو اشعار کے بعد ٹیپ کا مصرع آتا ہے، ٹیپ کے تمام مصرعوں میں ''کے سوا'' ردیف اور حضرت، رسالت، صورت وغیرہ قوافی ہیں۔ پوری نعت میں وصفی پیرایۂ اظہار کا غلبہ ہے۔ نعت کا بند ملاحظہ ہو۔

مطلع الحمد لا کر جگمگا دے خلق کو ۔۔۔ عارض روشن دکھا کر جگمگا دے خلق کو

نور وحدت کی ضیا سے جگمگا دے خلق کو ۔۔۔ کفر کی ظلمت مٹا کر جگمگا دے خلق کو

یہ ضیا کس میں تھی خورشید رسالت کے سوا

پنڈت بنسی لال خستہ دہلوی:

ان کی شخصیت غیر مسلم نعت گوؤں میں اس لیے لائق ذکر ہے کہ انھوں نے حضور کی نعت میں تلمیحاتی انداز بیان کو خاص اہمیت دی ہے اور ایک تلمیح سے پورے پورے واقعہ کے استحصار کا کام لیا

ہے۔دوسری خوبی یہ ہے کہ واقعات کے بیان سے ان اوصاف کا استخراج کیا گیا ہے جو واقعات میں روح، خلاصہ اور حاصل کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی نعتوں میں ہندوستانی عناصر نمایاں مقام رکھتے ہیں۔امت اور ہادی امت کی تضادی کیفیت کا بیان بھی ان کی نعتوں میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔نعتیہ کاوشوں میں جاری و ساری اصلاحی اور مصلحانہ رنگ سے مقصدیت اور افادیت کے رنگ کو حاوی کر دیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بادۂ عصیانی سے کل ملک عرب مخمور تھا
سوجھتا اس کو نہ تھا زنہار راہ ارتقا

اس خدائے دو جہاں کا دیکھئے لطف و کرم
ریت کے ذروں کو عالم میں کیا جلوہ نما

کاشف اسرار وحدت یا محمد مصطفےٰ
آن کر تو نے عرب کا پار بیڑا کر دیا

ناز ہے اہلِ عرب کو ہی نہ تیری ذات پر
حشر تک تجھ پر کرے گا فخر سارا ایشیا

ختم تیری رہنمائی راہِ وحدت پر نہ تھی
ہاں سیاست اور تمدن میں بھی تجھ کو دخل تھا

جنگ خندق اور پیکارِ احد سے ہے عیاں
تیری جرأت اور دلیری اور تیرا جود و عطا

آج تیری قوم پر افسوس آتا ہے مجھے
سرزمیں سے اس کو اپنی کچھ نہیں الفت ذرا

جس کی ذات پاک میں حب وطن کا جوش تھا
اس کی امت سو رہی ہے ہائے اس کو کیا ہوا

تیرا قرآں بس پڑھائے جب قومی کا سبق
دم سے تیری روح سے ہو پار بیڑا ہند کا

التجا امت سے تیری یہ دلِ خستہ کی ہے
کام وہ ایسا کرے ہو ملک کا جس سے بھلا

پنڈت رگھونندراؤ جذب نظامی:

آپ رائچور دکن میں وکالت کرتے تھے۔شعر و شاعری سے آپ کا گہرا ربط تھا۔آپ نے مذہب سے وابستگی کی بنا پر منبع نعت کی مدح خوانی میں زبان قلم کو وا کیا ہے۔محمد کی ردیف والی نعت کافی اچھی ہے۔اس نعت کا وسیع انداز خاصہ وقیع ہے اور بعض شاعر کی قلبی عقیدت اور اس کی مورثی

مرغوبات کی غمازی کرتے ہیں۔ مثلاً:

مکہ سے مدینہ سے ہی پہنچی سر افلاک — بوئے گل رخسار و گیسوئے محمدؐ
معراج میں سب چیزیں انھیں دیکھتی تھیں — بر حق کے سوا تھا نہ وہاں روئے محمدؐ

بابو روشن لال نعیم:

آپ ڈیرہ غازی خاں کے رہنے والے تھے۔ آپ کی نعتیہ کاوشیں سوز دروں سے معمور ہیں اور داخلیت کا حسین ولطیف مرقع ہیں۔ کہتے ہیں:

اے شیخ تجھی کو رہے فردوس مبارک — کافی ہے مجھے گوشۂ گلزار مدینہ
بن جاؤں میں دیوانۂ سرکار مدینہ — لگ جائے الٰہی مجھے آزار مدینہ

پنڈت بشن نارائن حامؔی بریلوی:

آپ بھی اچھے نعت گو شاعر تھے ان کی وہ نعت جو محمد ردیف اور ثنا خواں، غلاماں قوافی کے حامل ہیں شاعر کے سوز دروں کی مظہر ہے، شعر دیکھئے۔

بخشے مجھے توفیق نعت کی حامی — بھولوں نہ کبھی عمر بھر احسان محمد

ماسٹر مہادیو پرشاد سامؔی:

جبلپور کے رہنے والے تھے۔ آپ کو سرور کائنات سے مثالی محبت تھی۔ ۸ر فروری ۱۹۲۷ء کو ایک ستارہ ٹوٹا جب اس کی روشنی پھیلی تو آسمان پر حضور کا نام نامی محمد جلی حروف میں پھیل گیا۔ اس نورانی منظر کو کئی شعراء نے مختلف طریقہ سے بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں سامؔی کی نعتیہ کاوشیں کافی وقعت کی حامل ہیں۔ انھوں نے دو نعتوں میں اس روح افزا منظر کا ذکر کیا ہے۔

ایک 'جذبات سامی' کے عنوان سے ہے، جس میں ۴۲ر اشعار ہیں۔ اور دوسری نعت 'سرور کائنات' کے عنوان سے ہے۔ جس میں ۲۶ر اشعار ہیں۔ موصوف نے فارسی زبان میں بھی دو

نعتیں آسمان پر اسم محمدؐ کے ظہور سے متعلق لکھی ہیں جن میں سے ہر ایک میں ۵/۵ اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ اسم محمدؐ کے فلک پر ظہور کی بابت دو نعتیہ رباعیاں بھی موصوف کے نعتیہ سرمائے میں شامل ہیں۔ سامی کی متذکرہ بالا نعتوں میں سے پہلی نعت کی ترکیبی فضا قصیدے سے متاثر ہے۔ شاعر نے اس نعت میں ولائے اسلام کی عالم گیری حیثیت اور اسلام و مسلمانوں کی ملکی سطوت اور جبروت پر روشنی ڈالی ہے اور عصری احوال و کوائف کا جائزہ لیتے ہوئے سرزمین ہند کی زبانی منبع نعت سے التجا کرتے ہوئے کہا ہے۔

قوم کس ادبار کو پہنچی ہے کس اقبال سے	روبرو حضرت کے عاجز ہوں میں قیل وقال سے
آپ کی امت کی یہ پردیس میں توقیر ہے	ملت اسلام کی الٹی ہوئی تقدیر ہے

اس تہنیت کے بعد شاعر نے گریز کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سرزمین ہند کی التجا سے عرش ذوالجلال جنبش میں آگیا اور اللہ کے پیارے کا جی بھی غم سے نڈھال ہوگیا اور آسمان پر آہ کا شعلہ ستارہ بن کر نمودار ہوا اور اس طرح نور جو دھندلا تھا آخر آشکار ہوگیا۔ بعد کے اشعار میں شاعر نے آسمان پر اسم محمد کے ظہور کی بابت نعتیہ اشعار قلمبند کئے ہیں۔ یہ اشعار اس لیے بھی اہم اور دقیع ہیں کہ ان میں مقامی اور عصری رنگ چوکھا ہے۔ اس سلسلے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نور تھا یہ آپ کا چمکا کے قسمت ہند کی	ہند کے مسلم کو عزت اور حرمت ہند کی
خانۂ تاریخ مسلم میں اجالا ہوگیا	ہند کا دنیا کے آگے بول بالا ہوگیا
یہ صدا ہاتف نے دی چمکا جو جلوہ آپ کا	ساکنانِ دہر سن لیں حکم والا آپ کا
اب ستایا جائے گا ہرگز نہ شیدا آپ کا	اے مسلمانوں رہے گا سر پہ سایہ آپ کا
تم کو کیا غم سر پر جب خود نائب باری رہے	رہنے دو گر دشمنوں کی لاکھ تباری رہے

اس نعتیہ کاوش کا اختتام دعائیہ اشعار پر ہوا ہے۔

یا نبیؐ ہر حال میں ہو لطف حامی آپ کا
زینت گلو رہے طوق غلامی آپ کا

یہ شرف کافی ہے مجھ کو خادم خدام ہوں
آپ کے بندوں کا آقا بندۂ بے دام ہوں

دوسری نعت میں تارے کے ذریعے اسم محمدؐ کے ظہور کے متعلق اشعار یوں کہے ہیں کہ نور کی وصفی نعت کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کا وصفی رنگ بھی کافی خوشنما اور چوکھا دکھائی دیتا ہے۔ ملاحظہ ہوں:

اللہ رے ضو جھپکتی ہے آنکھ آفتاب کی
تارہ ہے یا کوئی شرر شمع طور ہے

ہاں کیوں نہ ہو یہ نور ہے اس شاہ کا کہ جو
محبوب حق سے شافع یوم النشور ہے

سلطان دیں کو جن کے غلاموں کے واسطے
حسب انتظامِ جنت و حور و قصور ہے

شاعر کے نزدیک یہ ظہور نور ہندوستان کے ساکنین کیلئے باعثِ فخر وانبساط ہے چنانچہ وہ کہتا ہے:

ہو سامنے یہ جلوہ تو تسلیم ہے مجھے
یہ ہند غم کدہ نہیں دارالسرور ہے

ساؔمی کو منبع نعت سے اس قدر عقیدت ہے کہ در خلد کی آرزو بھی اسلئے کرتا ہے کہ خلد وصال یار کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ نعت میں عجز کے مضمون کو نظم کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

ممکن ہے مدح کس سے پھر اس ذات پاک کی
مدحت طراز جس کا خدائے غفور ہے

مداح رسول ہونے پر تعلّی کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

خادم کا بال بال گنہگار ہے تو ہو
مداح ہے حضور کا اتنا ضرور ہے

محشر میں دیکھ لیں گے جنہیں اشتباہ ہو
ساؔمی ہے اور جام شراب طہور ہے

بال مکند عرشؔ ملسیانی:

ادبی دنیا میں عرشؔ بڑے مشہور نعت گو شاعروں میں سے ہیں۔ آپ ۳؍ ستمبر ۱۹۰۸ء کو ولادت پذیر ہوئے۔ بی۔ اے کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ آپ کی نعتیہ شاعری کافی وزنی ہے۔ نعتیہ کلام "آہنگ حجاز" کے نام سے ۱۹۳۵ء میں شائع ہو چکا جس میں ۳۲ ؍ صفحات ہیں۔ اس مجموعہ میں وہ نعتیہ غزلیں شامل ہیں جو شاعر کے خلوص دل کی ترجمانی کرتی ہیں۔ در نبیؐ پر حاضری

اور سجدہ ریزی کی تڑپ کی عکاسی کرتی ہیں۔اس قبیل کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

در محبوب پر سجدہ اگر اک بار ہو جائے
دل پر آرزو و سر چشمہ انوار ہو جائے

تجلی عام ہو اور وارد اسرار ہو جائے
جبین دل جو نقش آستان یارِ ہو جائے

مری کشتی ہے میں ہوں اور گرداب محبت ہے
جو وہ ہو ناخدا میرا تو بیڑا پار ہو جائے

جو وہ چاہے تو مجھ کو ایک نظر سے زندگی بخشے
جو وہ چاہے تو بختِ خفتہ پھر بیدار ہو جائے

عرشؔ نے اکثر نعتیں چھوٹی مترنم بحروں میں لکھی ہیں جن میں روانی، کیف، موسیقی، مضمون کی شگفتگی، الفاظ کا انتخاب، تراکیب کی دلکشی اور الفاظ کی صوتیت دیدنی ہے۔ان کا کلام سلیس، رواں بے ساختہ اور جذبِ و کیف کا لطیف مرقع ہے۔نعتوں میں وصفی اظہار کے ساتھ داخلی کیفیت کا دلکش امتزاج ہے جو کلام کی دیدہ زیبی میں چار چاند لگا دیتا ہے۔عرشؔ کے متعلق مولانا عبدالماجد دریابادی کی درج ذیل رائے کافی باوقعت و باوزن ہے۔

''مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو ملا کر جو مختصر فہرست منتخب نعت گو شعرا کی تیار کی جائے گی یقین ہے کہ ذوق سلیم اس میں بھی انکے لیے ایک جگہ مخصوص رکھے گا''

عرشؔ کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

معطر فضا مست ساری خدائی
صبا مشک افشاں مدینے سے آئی

غنیمت ہے قریب نبیؐ کی یہ صورت
وگر نہ کہاں ہم میں تابِ جدائی

چل اے عرشؔ ہو تو مدینے کا عازم
نہیں راس دنیا کی ہنگامہ رائی

جہاں ذکر احمد سے لبریز مستی
مسرور مئے وجد و حال اللہ اللہ

یہ نور ہدایت یہ تفسیر وحدت
عمل سے بھی افضل خیال اللہ اللہ

اتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے
نبوت کا اوجِ کمال اللہ اللہ

حامل جلوۂ ازل پیکر نور ذات تو
شان پیمبری سے ہے سرورِ کائنات تو

تیرے عمل کے درس ہے گرم ہے خون ہر بشر — حسن نمود زندگی رنگ رخ حیات تو
شان بشر کا ملتہا خالق دہر کا حبیب — مرد خدا پرست کا آئینہ حیات تو

لالہ چند فلکؔ لاہوری:

آپ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست علمبردار تھے اور ہر مذہب وملت کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ آپ نے منبع نعت کی شان اقدس میں بھی اپنے قلم کو استعمال کیا ہے۔ آپ کی نعتیہ کاوش میں تاریخی رنگ غالب ہے۔ ملاحظہ ہو:

نغمہ وحدت حق دہر میں گایا تو نے — کملی والے یہ عجب گیت سنایا تو نے
پڑ گئے ماند سبھی شرک و خودی کے اختر — مہر توحید کا جلوہ جو دکھایا تو نے
باہمی نفرت و کینہ تھا وسیلہ جن کا — انس و الفت کا سبق ان کو پڑھایا تو نے
کردیا ایک شہنشاہ و گدا کا رتبہ — اونچ اور نیچ کا سب فرق اٹھایا تو نے
خواب غفلت میں پڑے سوتے تھے مکی مدنی — لب اعجاز سے قم کہہ کے اٹھایا تو نے
آگئے حلقۂ اسلام میں انصار و یہود — جا کے آسن جو مدینے میں جمایا تو نے
ریت کے ذروں کو بارود کی طاقت بخشی — کار نا چیز کو اکسیر بنایا تو نے

پنڈت ہری چند اخترؔ:

آپ ۱۵/اپریل ۱۹۰۱ء کو ماجہ ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں بعمر ۱۵/سال شاعری کا شوق پیدا ہوا اور حضرت علامہ حفیظ جالندھری سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ان کی دو نعتیں 'اک عرب' اور 'سبز گنبد' کافی لطیف ہیں۔ یہ نعتیں شاعر کے عشق رسول اور دینی معلومات کے متعدد ذخیرے پر شاعر کی لیاقتی دسترس کو ظاہر کرتی ہے۔ ان نعتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اخترؔ کو پیغمبر اسلام سے مخلص شیفتگی اور گہری عقیدت تھی۔ موصوف نے ایک نعت میں منبع نعت سے گہری عقیدت کی بناء پر اپنے اور زاہد کے فرق کو واضح کرتے ہوئے اپنے کو طالب جنت اور اپنے کو طالب دیدار

رسول کہا ہے۔ چند اشعار دیکھئے:

کس نے ذروں کا اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا درِ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

کہہ دیا لا تقنطو اختر کسی کے کان میں
اور دل کو سر بسر محو تمنا کر دیا

سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسن کائنات
اب کسی نے اس کو عالم آشکار کر دیا

آدمیت کا غرض سامان مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

وسعت مشرب سے ہیں اک مخزن اسرار ہم
کفر ہم، اسلام ہم، تسبیح ہم، زنار ہم

ہم مکیں کی جستجو میں وہ مکان کے پھیر میں
طالب جنت ہے زاہد، طالب دیدار ہم

قبر میں اترے گا جاکر اپنی غفلت کا خمار
یعنی خواب مرگ ہی سے ہوں تو ہوں بیدار ہم

سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں
لیجئے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار ہم

یا الٰہی کس طرف کو ہے مرا عزم سفر
خضر کہتے ہیں کہ ساتھ آئیں ذرا سرکار ہم

نام پاکِ احمد مرسل سے ہم کو پیار ہے
اس لیے لکھتے ہیں اختر نعت کے اشعار ہم

بوادتی صاحبہ:

آپ مشہور نعت گو خاتون تھیں۔ ان کی نعتیں ان کے سوزِ دروں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کی داخلیت کی کارفرمائی لائق توجہ ہے۔ ایک چھوٹی سی نعت ملاحظہ ہو:

میں کس لیے زیست سے بیزار ہوگئی
میری حیات کس لیے دشوار ہوگئی

فرقت نے کس کی ہے مجھے مجنون کر دیا
میں کس کی جان و دل سے خریدار ہوگئی

کافور ہوگئی ہے مرے دل کی تیرگی
شکر خدا کہ خواب سے بیدار ہوگئی

اخلاق احمدی نے ہے حیران کیا مجھے
بی، ڈی غلام احمد مختار ہوگئی

بابو شمبھو دیا دانش:

آپ نے 'اخلاق محمدی' کے عنوان سے ایک جاندار نعت لکھی ہے۔ جس میں ایک تاریخی واقعہ کو نظم کر کے اس کے ذریعے اخلاق محمدی کو منکشف کیا ہے۔ اس نعت میں ایک خاص بات یہ ہے کہ شاعر نے تاریخی واقعہ کو نظم کرنے میں کہیں بھی شعریت کا خون نہیں کیا ہے۔ اس نعت میں منظوم واقعہ منجملا اس طرح ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ ایک جھاڑی کے نیچے سو رہے تھے ایک دشمن نے تلوار کھینچ کر آپ سے کہا۔

کون سا محافظ ہے وہ بتا لے گا آپ کو بچانے آئے گا

تب آپ نے فرمایا میرا حامی ہے وہ 'رب العالمین' تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور آپ نے پھر تلوار ہاتھ میں لے کر یہ پوچھا کہ بتا اب تجھے کون بچائے گا اور پھر آپ نے اس کو معاف فرما دیا دانش نے اس وقعہ کو ۴۵ر اشعار میں نظم کیا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پھینک کر تلوار فرمایا یہ لے اور کہہ اپنے دل پر درد سے
مجھ کو بھی اب اسی کا آسرا اب وہی میری مدد کو آئے گا
تھا بھروسہ جس کو تیری ذات پر بن رہا تھا جو ابھی تیری سپر
اس نے جب دیکھی یہ عالی ہمتی اور یہ تقریر آنحضرت سنی
ہوگئی اس کی تو کیفیت ہی اور ہوگئی اس کی تو کچھ حالت ہی اور
رو رہا تھا ان کے قدموں پر پڑا کیا کہوں کیا اس کا حال زار تھا

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر:

آپ اردو ادب کی جانی پہچانی شخصیت تھے۔ آپ کی شاعری میں جدت اور ندرت کی کارفرمائی ہے۔ یہی جدت، ندرت اور طرز بیان کی جھلک ان کی نعتوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ سحر کی نعتیہ کاوشوں میں فکر آمیز عناصر کی کارفرمائی ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع اور ان کی قوت استنباط

پر اثر ہے۔ ایک نعتیہ کاوش سے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

یہ سینہ اور یہ دل دوسرا معلوم ہوتا ہے — کوئی پردوں میں دل کے آچھپا معلوم ہوتا ہے
مدینے تک پہنچ جائے پہنچ جائے تو مر جائے — یہی بیمار غم کا مدعا معلوم ہوتا ہے
رسائی شمع تک کرتا ہے پروانہ شعاعوں سے — خدا کے نور سے یعنی خدا معلوم ہوتا ہے
سمٹ کر دو جہاں کی وسعتیں آئیں تخیل میں — تصور سرورِ لولاک کا معلوم ہوتا ہے

پروفیسر جگن ناتھ آزاد:

آپ کی شخصیت اردو ادب میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کی نعتوں میں عشق کی شگفتگی اور دل کا خلوص نمایاں ہے۔ آپ نے بڑے تزک و اہتمام کے ساتھ نعتیں لکھی ہیں۔ آپ کا ایک سلام سلاموں کی دنیا میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ قاری کے سامنے آزاد کی نعتیہ شاعری کا ایک ہلکا سا نقش مندرجہ ذیل اشعار میں پایا جاتا ہے۔

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر — ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ — مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ
مددگار و معاون بے بسوں کا زیر دستوں کا — ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا
سلام اس اقدس پر حیات جاودانی کا — سلام آزاد کا آزاد کی رنگیں بیانی کا

آزاد کی ایک نعت ''مطلع انوار سے'' جو ترجیع بند کی شکل میں ہے۔ چند اشعار دیکھئے:

تیرہ و تار فضاؤں میں تجلی چمکی — کس کا اعجاز تھا یہ ایک بشر کا اعجاز
ہاں یہ اعجاز اسی صاحب اعجاز کا تھا — آج بھی محفل گیتی کا جو ہے چہرہ طراز
ہر زمانہ میں وہ انساں کو جگاتی ہی گئی — کبھی گونجی تھی جو صحرائے عرب میں آواز
تو نے انساں کو انساں سے آگاہ کیا — ہے تیرے نام سے پیدا ترے سینے میں گداز
جو ہر طبع من از وصف کمالت روشن — گوھر نظم من از نسبت ذاتت روشن

☆☆☆

غیر مسلم نعت گو شعرا کی خدمات کا اعتراف

ہم غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے جب اردو شاعری کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ہر دور میں قابلِ ذکر شاعروں کی اچھی خاصی تعداد نمایاں نظر آتی ہے۔ دورِ متوسط میں پہلے غیر مسلم شعراء منشی شنکر لال ساقیؔ اور راجا مکھن لال مکھنؔ اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں ان دونوں شاعروں نے نعت گوئی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ دورِ جدید کے شعراء میں مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ، دلورام کوثریؔ، بالمکند عرشؔ ملسیانی اور دورِ حاضر کے مشہور شعراء میں علامہ امر چند قیسؔ جالندھری، پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ، پیارے لال رونقؔ دہلوی، کالی داس گپتا رضاؔ، مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، اوم پرکاش ساحرؔ ہوشیار پوری، گرسن لال ادیبؔ لکھنوی، رانا بھگوانؔ داس بھگوان، پچھمی نارائن سخاؔ میرٹھی اور دامودھر ذکی ٹھاکر نے برصغیر کی سطح پر شہرت حاصل کی۔ ان کے علاوہ الن جونؔ مخلص بدایوانی پہلے مسیحی شاعر ہیں ان کا ہدیۂ عقیدت "گلدستۂ نعت" ۱۹۲۹ء میں بدایوں سے شائع ہوا اور ایک مسیحی شاعر نذیر قیصرؔ ہیں جن کا مجموعۂ نعت "اے ہوا موذن ہو" لاہور سے ۱۹۹۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ راجہ رشید محمود نے آخر الذکر مجموعہ کو کسی مشہور مسیحی شاعر کا پہلا مجموعہ لکھا ہے۔

مسلمان شعراء بھی کہیں حد و نعت کا خیال نہیں کرتے لیکن بقول پروفیسر سیّد یونس شاہ:

"یہ امر خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام میں حفظِ مراتب کا خیال بدرجہ اتم موجود ہے۔"

ممتاز محقق شکیل احمد ضیاء نے بھی نورِ سخن میں پیش کی گئی غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے ضمن میں اس خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ان نعتوں کے ایک شعر میں بھی مسلمانوں کی مشکوک اور مجہول روایتوں کا سہارا

نہیں لیا گیا جن سے بعض مسلمان شعراء اپنے کلام کو مزین یا ملوث کرتے ہیں۔''

غیر مسلموں کے نعتیہ اشعار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے انھوں نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے اور حضور اکرمؐ کے پیغام و عمل کی یکسانیت کو رہنما سمجھتے ہیں۔ غیر مسلم شعراء کی نعتیہ منظومات مسدس اور مخمس وغیرہ میں سیرت کے بعض واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ وہ محض رسمی نہیں ہیں ان لفظوں کا زیر و بم بتاتا ہے کہ ان کے قلبی محسوسات کیا ہیں۔ یہ بڑی حد تک ان اعلیٰ انسانی اور آفاقی اقدار کی وجہ سے ہیں جو رسول ہاشمیؐ کی شخصیت اور پیغام و عمل سے ثابت ہیں ورنہ یونہی کوئی اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے دوسرے مذہب کے بارے میں ایسے خیالات جو صادق بھی ہیں پیش نہیں کرتا۔ اس اظہار کے لیے نہ صرف اپنی انا کی قربانی دینا ہوتی ہے بلکہ خاندانی اور معاشرتی دباؤ کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور بہت سے معاشی مسائل بھی پیچیدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لیے سیرت پاک میں غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کا جواز تسلیم کی جائے گی۔ حقیقت یہی ہے کہ رسول اکرمؐ کی ذات مبارک پر ہر دور میں تمام انصاف پسند، نیک دل، غیر جانبدار انسانوں کے لیے باعثِ صد احترام و عقیدت رہی ہے۔ جس کسی نے بھی آپؐ کی حیاتِ مبارک اور تعلیمات کا مطالعہ کھلے دل کے ساتھ کیا، وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا چاہے وہ ہندو ہو، عیسائی ہو، سکھ ہو یا کوئی اور۔ اردو نعت کے تمام محققین نے اپنی تصانیف میں غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام کے محاسن اور رسالت مآب کی شگفتگی کا ذکر کیا ہے بعض مصنفین نے اپنی کتب میں اس حوالے سے ایک الگ باب رکھا ہے۔ بعض نے اپنے مقالوں میں تحریر کیا ہے کہ:

''غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا آغاز جنوبی ہند سے ہو چکا تھا اور مسلمان شاعروں کی طرح ہندو شاعروں نے عقیدت اور محبت کے اظہار کے لیے حضورؐ کی سیرت و نعت کو بھی اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے۔''

کچھمی نارائن شفیق کا 'معراج نامہ' اور راجہ مکھن لال مکھن کا نعتیہ کلام اس اظہار عقیدت کے

نمونے ہیں۔ غیر مسلموں کی نعت سے دلچسپی کی وجوہات بھی مختلف بیان کی گئی ہیں۔ ہندو شاعروں کی نعت گوئی کا حقیقی دور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہے۔ عصر جدید میں ہمیں متعدد ایسے غیر مسلم شعراء ملتے ہیں جنھوں نے مقدار اور معیار کے اعتبار سے اس روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ اس کے بہت سے سیاسی اور معاشرتی عوامل ہیں۔ ایک بڑی وجہ وہ رواداری کی فضا ہے جو جنگِ آزادی کے بعد ہندو مسلم قوموں میں پہلے کی نسبت کچھ نمایاں ہوگئی تھی۔ انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں اگرچہ مسلمانوں نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ مگر بعض جگہ ہندو بھی مسلمانوں کے شانہ بہ شانہ لڑے اس کے بعد حصول آزادی کی جنگ جو قریب قریب ایک صدی پر پھیلی ہوئی ہے جو مقصد اور منزل کی ہم آہنگی دونوں پر قدرِ مشترک رکھتی ہے۔ مخلوط معاشرہ اگرچہ مسلم ہندو تعلقات میں ایک کشیدگی ہمیشہ رہی اور دونوں قوموں کی تہذیب وتمدن میں واضح اختلاف رہا اس کے باوجود اہل فکر وقلم کے حلقوں میں رواداری کی فضا ملتی ہے۔ جدید علوم اور برصغیر کی بدلتی معاشرت میں مذہبی عصبیت کا جوش اور شدت ذرا کم پڑی تو اس رواداری میں اضافہ ہوا۔ علامہ اقبالؔ کی نظم ''نیا شوالہ'' مانک رام سیوآنی کی سیرت پر لکھی ہوئی نظمیں اسی رواداری کی علامت ہیں۔ رواداری اور یگانگت کی اسی جذبے کے فروغ کے لیے بعض ادبی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی اجتماعات میں ایک دوسرے کے مشاہیر کو خراج عقیدت پیش کرنے کا رواج ہوا۔ ہندو شاعروں کے یہاں نعت گوئی کے ذوق کو اسی ماحول میں جلا ملی۔ ان معاشرتی اور سیاسی عوامل میں سب سے بڑھ کر رحمت اللعالمین کی ذات گرامی ہے جن کی سیرت و کردار اور پیغام نے اہل فکر لوگوں کو خاص طور پر متاثر کیا اور انھوں نے اپنے تاثرات قلم بند کر کے اس روایت کو مستحکم کیا۔

غیر مسلم شعراء کا ہمارے سرکار کی تعریف اور ثناء میں رطب اللسان ہونا چھوٹی بات نہیں خاص طور پر اس صورت حال میں کہ مسلمان شعراء نے ہندوؤں کے مذہبی رہنما کی تعریف میں زیادہ نہیں کیا۔ یہ صورت حال متحدہ ہندوستان میں بھی تھی۔

☆☆☆

منتخب غیر مسلم شعرا کا تذکرہ

ابھئے کمار:

ابھئے کمار ۱۰ ؍جنوری ۱۹۴۸ء کو میرٹھ کے مشہور قانون داں چتر سین گپتا کے ہاں پیدا ہوئے۔ سرہند میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ نے اعلیٰ تعلیم میرٹھ کالج میرٹھ سے مکمل کرتے ہوئے بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی کی استعداد حاصل کی۔ ہارڈ ویئر کا کاروبار کرتے ہیں اور کئی ادبی تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ ہندی رسم الخط میں شعری مجموعہ شائع ہوا ہے۔

مرے آقا مرے سرکار وہی ہیں کونین کے مالک و مختار وہی ہیں

دنیا میں ابھئےؔ صاحب کردار وہی ہیں چلتے ہیں سدا آپؐ کے جو نقش قدم پر

اخترؔ امرتسری:

اخترؔ امرتسری کے والد کر یہ رام بخشی ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ منشی پیارے لال رونق دہلوی سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ آپ نے ہندو سبھا کالج امرتسر میں تعلیم حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے گریجویٹ کیا۔ تقسیم ہند کے بعد دہلی چلے گئے اور وہاں کے کالجوں میں اردو، فارسی کی تعلیم دیتے رہے۔ متعدد رسائل اور انجمنوں کے سرپرست رہے ہیں۔ فارسی میں بھی طبع آزمائی فرماتے ہیں۔ فن عروض اور تاریخ گوئی میں بھی مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ وہ صاحبِ دیوان ہیں اور حلقۂ تلامذہ بھی رکھتے ہیں۔

پھرتا ہے نظر میں قد رعنائے محمدؐ دیکھی ہے کہیں صورت زیبائے محمدؐ

آنکھوں میں میری صورت زیبائے محمدؐ قربان تصور کے کہ پھرتی ہے شب و روز

ہری چند اختر:

پنڈت ہری چند اختر کا شمار اردو کے ممتاز شاعروں میں ہوتا ہے۔ مالک رام اور جوہر دیوبندی نے اپنے تذکروں میں ان کی تاریخ پیدائش ۱۵ اپریل ۱۹۱۱ء بتائی ہے۔ مقام صاحبا ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک تک لاہور میں مقیم رہے۔ فارسی میں منشی فاضل اور انگریزی میں ایم، اے تھے۔ شروع سے ہی ادب سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ فارسی میں بہت سے مضامین رہنمائے تعلیم' لاہور میں لکھے۔ چند سال اخبار نویسی بھی کی۔ بعد ازاں دفتر پنجاب اسمبلی اور محکمۂ اطلاعات میں کام کیا۔ آل انڈیا ریڈیو میں بھی آپ نے خدمات انجام دیں۔ ہری چند اختر نے ابتدا میں تخلص شرمار کھا بعد میں بدل دیا۔ مزاحیہ کلام میں دوزخی تخلص کرتے تھے۔ ان کا نعتیہ کلام بھی پسند کیا جاتا ہے۔ یکم جنوری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں آپ نے وفات پائی۔

کس نے قطروں کا ملایا اور دریا کردیا
کس نے ذروں کو اٹھا اور صحرا کردیا

شوکتِ مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصرِ کسریٰ کردیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا

سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسن کائنات
اب کسی نے اس کو عالم آشکار کردیا

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا

کنور سورج نارائن شرما ادب سیتاپوری:

نماز محبت ادا کر رہا ہوں
خیال حرم سامنے آ نہ جانا

جبینِ ادب خود جھکی جا رہی ہے
قریب آرہا ہے ترا آستانہ

جناب ادب سیتاپوری کی ولادت ۱۹۰۹ء میں سیتاپور (اودھ) کے ایک محلہ کریم پور کے ایک معزز گھرانے کے فرد جناب کنور سروپ نارائن کے گھر ہوئی۔ آپ کے دادا مشہور وکیل یتیم راؤ

کاوشؔ بریلی کے باشندے تھے جو ۱۸۵۷ء میں ترکِ وطن کر کے سیتاپور آ گئے تھے۔ جناب ادبؔ سیتاپوری نے ابتدائی تعلیم گھر پر بزرگوں کی نگرانی میں حاصل کی، اسکول میں داخل ہوئے۔ انٹر کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ آپ نے ۱۹۵۰ء کے قریب شاعری کا آغاز کیا اور عشق لکھنوی سے تلمذ اور حضرت جلال لکھنوی کی شاگردی اختیار کی لیکن کبھی کبھی سالک لکھنوی سے بھی مشورۂ سخن کرتے تھے۔ ادبی تقریبات کے اہتمام میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ آل انڈیا اردو تحریک کے نائب صدر بھی رہے۔ آپ کے عالی شان مکان کو ادبی مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ موصوف قیام لکھنؤ کے دوران ۲ راگست ۱۹۶۲ء کو انتقال کر گئے۔ آپ کی آخری رسوم سیتاپور میں ادا کی گئی۔ مشہور تذکرہ نگار جناب عرفان عباسی نے آپ کے کلام کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ:

> ''ادبؔ صاحب کو غزل سے تو طبعی مناسبت تھی ہی۔ نعت وسلام قطعہ، رباعی وغیرہ اصناف میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ نعت وسلام بڑے اہتمام سے کہتے تھے۔ ادبؔ صاحب کے کلام میں لکھنوی رنگ اور آہنگ کی جھلک پائی جاتی ہے۔ وہ دل کی بات نہایت سادگی وصفائی سے کہہ دیتے ہیں۔ اخلاقی تاثر اور انسانی درد، حقائق زندگی کا بیان، زبان کی سلاست لطافت و ندرت ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ وہ شاعری کو فن کی خدمت سمجھتے تھے۔''

جناب ادبؔ سیتاپوری کے کلام کا ایک مجموعہ ''اشک خلوص'' شائع ہو چکا ہے۔

نمونۂ کلام:

محمدؐ ایک فرقے کے نہیں ہیں — محمدؐ سب کے ہیں اور بالیقیں ہیں
ادبؔ لائے نہ کیوں ایمان ان پر — محمدؐ رحمت اللعالمین ہیں
اے پیکر خلوص کے حق آفریں سلام — اے پانے والے ختم رسل کا خدا کے نام

لطف و کرم کی ایک نظر اس ادب پہ بھی
یہ بھی تمہارے در کا ہے ادنیٰ سا اک غلام

گرسرن لال ادیب لکھنوی:

جناب گرسرن لال ۲۳ر دسمبر ۱۹۰۲ء کو محلہ غوث نگر لکھنؤ میں مقیم منشی مہادیو پرشاد عاصی کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی گوپی ناتھ امن لکھنوی بھی ممتاز صحافی اور شاعر تھے۔ ادیب لکھنوی نے ابتدائی تعلیم اپنے دادا منشی گنگا پرشاد سے حاصل کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انٹر، لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔اے، اور آگرہ یونیورسٹی فارسی میں ایم،اے کی اسناد حاصل کیں۔ موصوف کے دادا مسلم کلچر کے دلدادہ تھے۔ شاید اس تربیت کا اثر ہے کہ موصوف بھی میلاد اور مجلس میں شرکت کرتے رہے ہیں۔ آپ کو مولانا عزیز لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ عمر کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں گذار چکے ہیں۔ جناب ادیب لکھنوی کی تصنیف 'چھوٹے نانک' اور 'چھلکتے جام' اور اردو افسانوں کا انگریزی ترجمہ بھی کتابی صورت میں منظر عام پر آچکا ہے اردو شاعری کے مجموعے 'رباعیات ادیب' اور 'زنداں سے گلستاں تک' بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ 'نذرانہ عقیدت' آپ کے حمدیہ کلام اور نعتیہ کلام، سلام اور مناقب کا مجموعہ ہیں۔ ادیب کی شخصی خصوصیات کا احاطہ کرتے ہوئے جناب سید اختر الاسلام نے لکھا ہے کہ:

> ''ادیب صاحب بہت عقیدتوں اور محبتوں کے انسان ہیں ان جیسے با اخلاق لوگ اب خال خال رہ گئے ہیں۔''

نمونۂ کلام:

آؤ ہم سب مل کے بیٹھیں پیار کی باتیں کریں
کچھ عرب میں پریم کے اوتار کی باتیں کریں

فخر آدم، احمد مختار کی باتیں کریں
دو جہاں کے سرور و سردار کی باتیں کریں

وہ صداقت کا علمبردار وحدت کا خطیب
ظاہر و باطن کے سب انوار تھے جس کے قریب

انبیاء پر برتری کا تھا شرف جس کو نصیب وہ خدائے پاک و برتر نے کہا جس کو حبیب

گوپی ناتھ امن لکھنوی:

ممتاز ادیب و شاعر، صحافی مترجم، سیاست داں جناب امن لکھنوی ۱۶ر دسمبر ۱۸۹۸ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی مہادیو پرشاد شریواستو جب لکھنؤ میں میونسپل بورڈ میں ملازم تھے اور ہندی، اردو فارسی زبانوں میں اچھا درک رکھتے تھے اور تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ عاصی تخلص تھا۔ امن صاحب نے گھر کے علمی و ادبی ماحول میں تعلیم و تربیت پائی۔ ۱۹۱۶ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے دسویں درجہ کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انٹر اور ۱۹۵۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی، اے کی سند حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں نقل نویس کی حیثیت سے تقرر ہوا پھر میونسپل بورڈ میں کلرک رہے۔ ۱۹۲۰ء میں مختاری کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۳۰ء تک مختار عدالت رہے۔ ۱۹۳۳ء میں دہلی چلے گئے اور روزنامہ ''تیج'' سے وابستہ ہو گئے بعد میں تیج ویکلی کے مدیر ہو گئے تھے۔ ملک آزاد ہونے کے بعد پریس ریاست دہلی کے وزیر ترقیات، ڈپٹی اسپیکر اور دہلی پبلک ریلیشنز کمیٹی اور دہلی پبلک لائبریری کے صدر رہے۔ امن صاحب جدو جہد آزادی میں شریک رہے۔ کئی مرتبہ قید و بند کی سختیاں بھی برداشت کیں تھیں۔ امن صاحب کا دل پسند موضوع مذاہب کا تقابلی مطالعہ تھا۔ انھوں نے اخلاقی قدروں کے فروغ میں حصہ لیا آپ کی زندگی خود عمل کا بہترین نمونہ تھی۔ ان کی نیک نفسی، منکسر المزاجی، انسانی ہمدردی اور ایمان داری کا ایک زمانہ معترف تھا۔ ان کی سیاسی، ادبی اور سماجی خدمات کے اعتراف میں حکومت ہند نے انھیں پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا تھا۔ امن صاحب کے والد کے علاوہ خاندان کے بیشتر بزرگ شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے۔ جملہ اصناف میں طبع آزمائی کی۔ رنگ قدیم کے دلدادہ تھے لیکن عصری تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھتے تھے۔ ان کے کئی تراجم اور شعری مجموعے شائع ہوئے۔ 'سیل عقیدت' آپ کے

دینی کلام کا مجموعہ ہے۔ اس ہمہ گیر شخصیت نے ۷ر جولائی ۱۹۸۳ء کو زخم جدائی دیا۔ عقیدت مندانہ

نعتیہ کلام ملاحظہ ہو:

فراز عرش احمدؐ سر فرش زمیں آئے — مبارک اہلِ دنیا رحمت اللعالمین آئے
فرشتوں سے کہیں بڑھ کر رتبہ ذات انساں کا — جو کردار محمدؐ دیکھ لو تم کو یقیں آئے
رسول پاک کا رتبہ کوئی انسان کیا سمجھے — زسطح اولیں آئے بہ عہد آخریں آئے
یہ کیا کہنا یہاں آئے سکوں کی کھوج جس کو ہو — مناسب تو یہ کہنا یہیں آئے یہیں آئے

ڈاکٹر انجنا سندھیر انجناؔ:

ڈاکٹر انجنا سندھیر یکم تمبر ۱۹۶۰ء کو رڑکی یوپی میں پیدا ہوئی۔ آپ رام پرشاد سندھیر کی صاحبزادی ہیں جو خود بھی شعر کہتے تھے۔ انجنا کی مادری زبان پنجابی ہے لیکن موصوفہ کو اردو سے بے پناہ عشق ہے۔ آپ نے ہندی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ایم۔ اے کے بعد پی ایچ۔ ڈی کر چکی ہیں اور گجرات کے شہر احمد آباد میں مقیم ہیں۔ شاعری کے علاوہ آپ کی مصروفیات میں دوسری زبانوں سے اردو تراجم شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انجنا صاحبہ ٹی، وی پروڈیوسر اور احمد آباد کے ریڈیو بورڈ کی بھی ممبر ہیں، صحافت سے بھی تعلق قائم ہے۔ ایک ہندی اخبار کی ایڈیٹر اور ایک گجراتی اخبار کی کالم نگار ہیں۔ احمد آباد کے ہی ایک کالج میں لکچرار ہیں۔ آپ کا مجموعہ غزلیات 'موج سحر' ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا ہے۔

نمونۂ کلام:

میں بھی آنکھوں سے کبھی گنبد خضریٰ دیکھوں — آرزو ہے شہ بطحیٰ کا میں روضہ دیکھوں
کبھی مکّے میں رہوں پھر میں مدینہ جاؤں — کعبہ کو دیکھ کے میں کعبہ کا کعبہ دیکھوں
مجھ کو اپنی غلامی کا شرف دو آقا — خاکساروں میں میرا نام بھی لکھا دیکھوں
صرف سجدہ میں جہاں رہتے ہیں فرشتے ہردم — میں بھی سرکار دو عالم کا وہ روضہ دیکھوں

مجھ پہ بھی شاہِ دو عالم کی نظر ہو جائے	اوج پر اپنے مقدر کا ستارہ دیکھوں

دیوی دیال آتش بہاولپوری:

جناب دیوی دیال ۱۸۹۰ء میں خیر پور سادات مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جناب بھولا رام ۱۹۲۶ء میں کاروباری مصروفیات کی وجہ سے بہاولپور منتقل ہو گئے تھے۔ جہاں ۱۹۴۷ء تک مقیم رہے۔ اسی وجہ سے بہاولپوری لکھنا شروع کیا۔ ۱۹۵۳ء سے مستقل طور پر سونی پت میں مقیم رہے۔ آپ نے ادیب، فاضل اور منشی فاضل کی اسناد حاصل کیں تھیں۔ کچھ دنوں ایک کالج میں لکچرار بھی رہے۔ آپ شاعر کے ساتھ ساتھ صحافی بھی تھے۔ جناب آتش بہاولپوری نے اخبار 'پیغام' جاری کیا تھا جو تقسیم ہند کے بعد جالندھر سے شائع ہوتا رہا۔ شاعری اور صحافت کے علاوہ مزدوروں کی رہنمائی بھی کرتے رہے۔ جناب آتش کا شمار ہریانہ کے ممتاز ادیبوں میں ہوتا ہے علامہ سیماب اکبر آبادی کے قابل قدر تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپکی تصنیف میں 'خلاصہ تاریخ ادب'، 'نذر اقبال' اور شعری مجموعہ 'فروزاں' زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو انتقال کیا۔

نمونۂ کلام:

آج ہے آتش مبارک یوم میلاد نبیؐ	آج پھر سے قلب میں تازہ کرے یاد نبیؐ
رہنمائے منزل عرفان محمد مصطفےٰ	ہادی دین صاحب قرآن محمد مصطفےٰ
فخر امت، صاحب معراج محبوب خدا	شوکت و شانِ رسالت تاجدار انبیاء
آشنائے عظمت توحید شان معرفت	واقف اسرار جہاں نکتہ دان معرفت
شان شایاں سید ابرار سرتاج امم	جن کی ذاتِ پاک ہے سرچشمہ فیض و کرم
پیکر صد رحمتِ حق شافع روز جزا	بے سہاروں کے سہارا بے نوا کے ہم نوا

سارے عالم سے مٹا کر دہر کی ظلمات کو روز روشن میں بدل ڈالا اندھیری رات کو
التجا ان سے کریں ہم بھی شفاعت کیلئے وقف کردیں جان و دل ان کی محبت کیلئے

ڈاکٹر رمیش پرشاد گرگ آتش:

جناب آتش ۲۳؍جولائی ۱۹۴۷ء کو بنارس میں پیدا ہوئے۔ والد منی لال گرگ کئی زبانوں سے بخوبی واقف تھے۔ اردو سے محبت آتش کو وراثت میں ملی تھی۔ بحیثیت معالج اپنے حلقہ میں مقبول اور مشہور ہیں۔ جناب آتش کی تصنیف ''ودیارتھی کا پریم'' اور ''سوتیلی ماں'' ۱۹۵۸ء میں شائع ہوئی۔ جب طبیعت شاعری کی طرف مائل ہوئی تو اردو کے مشہور شاعر سلیمان آصف سے اصلاح لینی شروع کی۔ آپ کا کلام اور مضامین اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ موصوف غیر متعصب ذہن کے مالک ہیں اور اعلیٰ انسانی قومی قدروں پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ نے سینکڑوں نعتیں لکھی ہیں جس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

''مجھے اسلام کے پیشوا حضرت محمدؐ کی تعلیمات نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ خاص طور سے مساوات، اخوت، بھائی چارگی کا پیغام، نسل و رنگ کے جھگڑوں کا خاتمہ، پیغمبر کی صلح پسندی اور حق گوئی کا مجھ پر بڑا اثر پڑا ہے۔''

اپنی نعتیہ شاعری کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''میری نعتیں دل کی ترجمان ہیں۔''

نعتیہ مجموعہ ''گلہائے عقیدت'' زیر طبع ہے۔ آپ کی اہم تصنیف ''نکاح اور شریعت کی روشنی'' میں شائع ہونے والی ہے۔ جناب آتش کا ایک چھوٹا سا مجموعۂ غزل ''داغ داغ'' ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا ہے۔ کئی اردو ہندی ناول اور شعری مجموعہ مکمل کر چکے ہیں۔ کئی منظوم تراجم پر مشتمل کتابوں کے مسودے کتابت کے منتظر ہیں۔

نمونۂ کلام:

الفت سرکار بطحیٰ چاہیئے ۔ اب سوا اس کے ہمیں کیا چاہیئے
مال و زر لے کر کروں میں کیا بھلا ۔ آپ کی سرکار کرپا چاہیئے
عیش دنیا سے رہوں کیونکر نہ دور ۔ مجھ کو عقبیٰ میرے شاہا چاہیئے
آپ کی الفت سند جنت کی ہے ۔ یہ سند شاہِ مدینہ چاہیئے
حوض کوثر پر پہنچنے کے لیے ۔ آپ سے مضبوط رشتہ چاہیئے
حشر میں دیدار ہو سرکار کا ۔ بس یہی رکھنی تمنا چاہیئے
آتش دوزخ سے آتش کو بچا ۔ زندگی سکھ سے گذرنا چاہیئے

سادھورام آرزوؔ سہارنپوری:

معزز ہندو چھتری گھرانے کے فرد چودھری کندن لال کے گھر ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی، اردو اور ہندی مقامی اساتذہ سے حاصل کی۔ تعلیم کے مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے پنجاب انجینئرنگ کالج سے انجینئر کا ڈپلوما حاصل کیا۔ زندگی کا بیشتر حصہ سہارنپور سے باہر گذرا آخری میں زیادہ تر قیام کلکتہ میں رہا۔ علم دوست تھے اور ان کے تعلقات اہل قلم ہی سے زیادہ تھے۔ آرزوؔ سہارنپوری نے شاعری کا آغاز ۱۹۱۴ء سے کیا۔ ابتدائی مشق میں حکیم غلام مصطفیٰ حکیم سہارنپوری سے اور بعد میں شوکت علی خاں فانی بدایونی سے اصلاح لی۔ عرفان عباسی صاحب نے اپنے تذکرہ میں ان کے کلام اور ہر دلعزیزی کے بارے میں لکھا:

> ”آرزو صاحب بڑے زود گو، قادرالکلام اور کہنہ مشق شاعر تھے انھوں نے غزل، نظم، نعت، سلام، مرثیہ وغیرہ تمام اصناف سخن پر جولانی طبع کے جوہر دکھائے ہیں اور خوب خوب داد تحسین وصول کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ملک کی کئی یونیورسٹیوں

میں بھی ان کا کلام نصاب میں شامل تھا۔ ملک کے مشہور شاعر اور کلکتہ کی شعری محفلوں کی نمایاں شخصیت تھے تمام عمر علمی اور ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اور جہاں بھی رہے شعر و سخن کی محفلیں سجاتے رہے۔''

جناب آرزو کے مجموعۂ کلام میں ''ظہور قدسی'' اور حدیثِ آرزو مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ آرزو ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو محفلیں سونی کر کے رخصت ہو گئے انکے ادبی سرمایہ میں نعتیہ کلام بھی کافی ہے۔

نمونۂ کلام:

ازل ہی سے محمد کی ثنا خواں ہے زبان میری
بیاضِ صبحِ ہستی پر لکھی ہے داستان میری

تیرے محبوب کی مدح و ثنا مقصود ہے مجھ کو
دھلا دے آبِ کوثر سے کوئی یارب زبان میری

غلامِ حضرت خیر الوریٰ ہوں کیا نہیں میرا
فضائے لامکاں میری بساطِ کن فکاں میری

کوئی آساں نہیں عشقِ محمد میں قدم رکھنا
ہزاروں بار میرے جسم سے نکلی ہے جان میری

میرے ہر شعر سے ٹپکے گی لو عشقِ محمد کی
فرشتے حشر میں دہرائیں گے جب داستان میری

مدینے کی ہر ایک شئے کو نظر سے سجدہ کرتا ہوں
مجھے محسوس ہوتا ہے کہ منزل ہے یہاں میری

مرے اشعار میں اے آرزو رنگ عقیدت ہے
بہت کچھ حضرت حساں سے ملتی ہے زبان میری

جگن ناتھ آزاد:

جناب جگن ناتھ آزاد ۵ر دسمبر ۱۹۱۸ء کو عیسیٰ خیل ضلع میانوالی (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے نامور والد پروفیسر تلوک چند محروم کی زیر نگرانی حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فارسی میں ایم۔ اے کیا اور اپنے وقت کے ممتاز صاحبان علم مولانا تاجور نجیب آبادی، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، ڈاکٹر سید عبداللہ، سید عابد علی سے اکتسابِ فیض کیا۔ تقسیم ملک کے بعد دہلی میں رہائش اختیار کی اور یہاں مختلف سرکاری عہدوں پر مامور رہے۔ مارچ میں پریس

انفارمیشن بیورو میں ڈپٹی پرنسپل انفارمیشن آفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۷ء میں اس عہدہ پر خدمات انجام دیتے ہوئے سری نگر پہنچے جہاں سے ۱۹۷۷ء میں ڈائرکٹر پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف انڈیا کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ اسی سال آپ جموں یونیورسٹی کی پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو کی پیشکش قبول کی اور ۷ برس بعد سبکدوش ہوئے۔ سبکدوشی کے دوسرے ہی دن یونیورسٹی نے آپ کو پروفیسر امریٹس ایوارڈ پیش کیا۔ اسی میں تا حال جموں یونیورسٹی میں کام کررہے ہیں۔ جناب آزاد کا خاص موضوع اقبال ہے۔ اقبال اور اقبالیات کے موضوع پر اردو اور انگریزی میں دس کتابیں لکھنے کے علاوہ اندرون و بیرون ملک کے متعدد یونیورسیٹیوں میں لکچر دے چکے ہیں۔ آپ نظم و نثر کی ۴۵ کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ مختلف اعلیٰ تعلیمی اداروں کی دعوت پر روس، امریکہ، برطانیہ کینڈا، مصر، برما، نیپال، متحدہ عرب امارت اور مغربی یورپ کے ممالک کا کئی بار سفر کر چکے ہیں۔ پاکستان بھی کئی مرتبہ گئے ہیں۔ جناب جگن ناتھ آزاد کو کئی ممالک اور علمی و ادبی اداروں کی طرف سے اعزازات بھی دیئے گئے ہیں جن میں قابل ذکر صدر پاکستان اقبال میڈل ہے۔

آزاد صاحب کے فن اور شخصیت پر تین کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ جناب جگن ناتھ جموں یونیورسٹی کے لیے اقبال کی مسبوط سوانح حیات لکھ رہے ہیں جس کی تین جلدیں مکمل ہوچکی ہیں۔ مکمل سوانح حیات پانچ جلدوں میں مکمل ہوگی۔ بلاشبہ موصوف ان خدمات کے حوالے سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

نمونۂ کلام:

سلام اس ذات اقدس پر سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے انساں پر

سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بے کسوں کا آسرا مشفق غریبوں کا

مددگار و معاون بے بسوں کا زیر دستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا

سلام اس پر جو آیا رحمت اللعالمین بن کر
پیام دوست لے کر صادق و امین بن کر

سلام اس پر کہ جس کے نور سے پرنور ہے دنیا
سلام اس پر کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا

سلام اس پر جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لیے بے تاب سجدوں کو جبینوں میں

سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
ہے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ

بڑے چھوٹوں میں جس نے اک اخوت کی بنا ڈالی
زمانے سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی

سلام اس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی
رہی زیر قدم جس کے شکوہ و شان خاقانی

سلام اس پر جو ہے آسودہ زیر گنبد خضریٰ
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پہ ناصیہ فرما

سلام اس پر کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر گالیاں اس پر دعائیں دیں

سلام اس ذات اقدس پر حیات جاودانی کا
سلام آزادؔ کا آزادؔ کی رنگین بیانی کا

رادھا کرشن آزادؔ سونی پتی:

جناب آزاد سونی پتی ۱۶/ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو صوبہ پنجاب پاکستان کے شہر کوٹ ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ جناب سندر داس گروور کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے ادیب فاضل اور گریجویشن کے بعد ملازمت اختیار کی اور تقسیم ملک کے بعد سونی پت ہریانہ منتقل ہو گئے۔ شعری مزاج فطری طور پر رکھتے تھے۔ اوّل اوّل جناب جیا رام داس فلکؔ سے اصلاح لی اور پھر آتشؔ بہاولپوری سے مشورۂ سخن کرتے رہے۔ جناب آزادؔ سونی پتی کا کلام رسائل و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ ’’دردِ مشترک‘‘ کے مصنف نے جن شعرا کو اپنی کتاب میں پیش کیا ہے اس میں آزادؔ صاحب بھی شامل ہیں۔ موصوف ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بھی سرگرم حصہ لیتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہند کی ہریانہ شاخ کے رکن اور ضلع سونی پت شاخ کے معتمد عمومی کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

نمونۂ کلام:

فروغ دین و ایماں عظمت و شان رسالت ہے
اسی کے ذات سے روشن جہاں میں شمع وحدت ہے
اسی کے دم سے دنیا میں عروج آدمیت ہے
محمدؐ مصطفےٰ سے مجھ کو بھی دل سے عقیدت ہے

پڑھایا درس اہل دہر کو اس نے اخوت کا
اسی کی ذات اقدس نے دیا پیغام الفت کا
بجا ہے ہم اگر بھرتے ہیں دم اس کی عقیدت کا
محمد مصطفےٰ سے مجھ کو بھی دل سے عقیدت ہے

اسی نے ہی ہمیں جذبہ رضا و صبر کا بخشا
دکھایا ہے اسی نے صدقہ و خیرات کا رستہ
زمانے میں کیا اس نے علم توحید کا اونچا
محمدؐ مصطفےٰ سے مجھ کو بھی دل سے عقیدت ہے

بھگوان داس برقؔ:

جناب بھگوان داس برقؔ کا شمار ہریانہ کے بزرگ شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ ۴؍فروری کو کڑکی ضلع جھنگ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ منشی فاضل اور ادیب فاضل کے بعد درس وتدریس کو ذریعۂ معاش وخدمات بنایا اور طویل عرصہ تک ہریانہ کے محکمۂ تعلیم سے وابستہ رہے۔ زمانۂ طالب علمی سے ہی شاعری کا شوق رہا ہے۔ برقؔ صاحب مولوی اللہ دین مضطرؔ کے شاگرد ہیں۔ اکثر رسائل و جرائد میں آپ کا کلام اہتمام کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ شعری مجموعہ ''معیار قوم'' کے نام سے منظر

عام پر آچکا ہے۔ روہتک میں سکونت پذیر ہے۔

نمونۂ کلام:

ہوا جب سے تیرا کرم یا محمدؐ — رہا دل میں کوئی نہ غم یا محمدؐ
تیری خاک پائے مقدس کو پہنچے — نہ دارا نہ خسرو نہ ہم یا محمدؐ
ہمیں بھی تو عاشق سے اپنے ملادے — تیرے در پہ آئے ہیں ہم یا محمدؐ
تیرا حسن سیرت جو تحریر کردے — کہاں سے وہ لاؤں قلم یا محمدؐ

سکھدیو پرشاد بسمل الٰہ آبادی:

جناب منشی بشیشور پرشاد سنہا کے گھر ۱۱ر نومبر ۱۸۸۹ء کو الہ آباد میں جناب سکھدیو پرشاد پیدا ہوئے۔ ان کے جدامجد موضع بھوانی پور ضلع رائے بریلی سے بسلسلۂ تلاش معاش الٰہ آباد میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اردو فارسی میں معقول استعداد حاصل کی۔ کائستھ پاٹھ شالا اور ماڈرن ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لیا مگر اپنی علمی استعداد کو ذاتی مطالعہ سے آگے نہ بڑھایا۔ میونسپل بورڈ الٰہ آباد میں ملازمت کی۔ بسمل صاحب خوش مزاج، درد شناس، بذلہ سنج تھے جس کی وجہ سے ہر ایک محفل میں توجہ کے مرکز بن جاتے تھے۔ جناب بسمل الٰہ آبادی کو شاعری کا ذوق بچپن سے ہی تھا۔ ۱۹۱۸ء میں آپ نے حضرت داغؔ دہلوی کے شاگرد حضرت نوحؔ ناروی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ موصوف اپنے استاد سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ پڑھنے کے ایک خاص انداز اور خوبصورت ترنم سے محفل پر چھا جانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔

آپ کا حلقۂ تلامذہ بھی وسیع ہے۔ اردو کے فروغ میں آپ کی زندگی نصف صدی پر چھائی ہوئی ہے۔ جناب عرفانؔ عباسی نے اپنے تذکرہ میں بسمل صاحب کے کلام پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا

ہے کہ،

''کہنہ مشق زود گو شاعر تھے۔ انھوں نے جملہ اصناف سخن میں کامیاب طبع آزمائی کی۔ ان کا کلام زبان کی سلاست، صفائی اور ترتیب و تسلسل، سادگی اور بے ساختگی، فصاحت و لطافت، تاثیر و جذب، روانی اور تغزل کی تازگی کی خوبیوں سے مالامال ہے۔''

آپ اردو رسالہ ''چاند'' کی ترتیب میں شامل اور رسالہ ''طوفان'' الہٰ آباد کے معاون مدیر بھی رہے۔ آپ کے دیوان ''جذبات بسمل''، ''افکار بسمل'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے دیباچے سر عبدالقادر اور سر تیج بہادر سپرو جیسے مشاہیر نے لکھے ہیں۔ جناب بسمل الہٰ آبادی خدمتِ ادب کرتے ہوئے ۲۴ر نومبر ۱۹۷۵ء کو ۸۶ر سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہونے کے سبب انتقال فرما گئے۔

نمونہ کلام:

واہ کیا آن ہے کیا شانِ رسول عربی
تم پہ تو جی سے ہوں قربان رسول عربی

خانۂ دل مرا جلوہ سے منور ہو جائے
دو گھڑی تم جو ہوں مہماں رسول عربی

اپنا جلوہ جو دکھا دو کبھی بھولے بسرے
پورے دل کے ہو سب ارماں رسول عربی

عرش پر جب شب معراج سواری پہنچی
حورین تم پر ہوئیں قرباں رسول عربی

حشر میں امت عاصی نے جو دیکھا تم کو
آ گئی جان میں پھر جاں رسول عربی

میں نہ بھولوں گا نہ بھولوں گا ان کو ہرگز
جو مرے سر پہ ہیں احساں رسول عربی

زلفیں اپنی رخ انور سے ہٹا دو للہ
کہ بہت میں ہوں پریشاں رسول عربی

لے لیا دل سے اگر نام مصیبت میں کبھی
مشکلیں ہو گئیں آساں رسول عربی

یہی بسمل کی تمنا ہے مدینہ جا کر
آپ کے در کا ہو درباں رسول عربی

ہر وقت میسّر ہو نظارہ تیرا
ملتا رہے گرتے کو سہارا تیرا

بسمل کا مدد گار نہیں اور کوئی
کافی ہے اسے صرف اشارا تیرا

خزان چند نسیم حیرتی:

جناب خزان چند ۱۰ / نومبر ۱۹۱۱ء کو جیلوانہ ضلع گوجرانوالہ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ حضرت جوش ملسیانی سے آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ استاد کے فیضان توجہ سے ذہن کو پختگی اور بالیدگی ملی آپ نے نثر و نظم میں اپنے قلم کو رواں رکھا۔ غزل، قطعہ، رباعی، گیت کے ساتھ طنز و مزاح، افسانے، کہانی، لطیفے، مکرنیاں اور افسانچے بھی تحریر کیے۔ جناب حیرتی کی شائع شدہ کتب بھی کافی ہیں۔ آپ نے نعت بھی پورے اخلاص کے ساتھ کہی ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں سیّد حسن عباس نے لکھا ہے:

> ''ان کی شاعرانہ عظمت میں یہ بات خصوصی طور پر چار چاند لگانے میں پیش پیش ہے کہ وہ عاشق رسول بھی ہیں اور انھوں نے اسلامی نظریات و عقاید کا پاس رکھتے ہوئے اپنے شعری زادراہ میں تصوف کی قوس قزح بھی کھلائی ہے۔ حیرتی صاحب کی یہ خوبی ہے کہ انھوں نے اسلام کے دائرے میں پیغمبر آخرالزماں کی تعریف و توصیف، مدح و ثنا، شمائل و فضائل، اخلاق و عادات اور تعلیم و تربیت کا بیان کیا ہے۔''

آپ نے ۶ / مارچ ۱۹۸۴ء کو انتقال کیا۔

ہر دل کے ہیں ارمان رسول عربی
ہر جان کے ہیں جان رسول عربی

مجھ بندۂ بے کس کے بھی اے کاش نسیم
ہو جائے نگہبان رسول عربی

تصویر محبت ہیں محمد آقا تنویر رسالت ہیں محمد آقا
سن لیں جو حقیقت کے تمنائی ہیں تفسیر حقیقت ہیں محمد آقا
آنکھوں میں مئے مستیِ الہام رسول امت کے بنے ساقی گلفام رسول
ہر چند پیغمبر تھے مگر سر تا پا خود قادر مطلق کے تھے پیغام رسول
حاصل ہو ترے در کی جسے دربانی کچھ چیز نہیں اس کے لیے سلطانی
سلطان کی ثروت تو ہے آنی جانی ایمان کا سرمایہ ترا لافانی

رانا بھگوان داس بھگوانؔ:

اردو فارسی کے ممتاز ادیب وشاعر، محترم رانا بھگوان داس ۲۹ر دسمبر ۱۹۴۲ء کو نصیر آباد، لاڑکانہ، سندھ میں پیدا ہوئے۔ رانا جیامل کے بڑے بیٹے اور مشہور صوفی مشرب، طبیب رانا پوہو رام کے پوتے ہیں جو ملتان سے منتقل ہو کر سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔ سلسلہ نسب مہاراجہ پرتھوی راج سے ملتا ہے۔ اسی لیے پرتھیائی راجپوت کہلاتے ہیں۔ ایم اے معارف اسلامیہ اور ایل، ایل، بی کے امتحانات پاس کر کے صوبائی ملازمتوں میں عدلیہ کے لیے منتخب ہوئے۔ حیدر آباد دکن کے ایک صاحب علم حضرت قادر علی نے علمی وادبی آبیاری کی اور شعر وسخن میں سید محمد مہدی رئیس امروہوی سے استفادہ کیا۔ محترم رانا بھگوان داس آجکل سندھ ہائی کورٹ کے جج ہیں۔ انتہائی مخلص، شفیق اور ادب دوست ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے گہرا شغف اور محسن انسانیت سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ اسلامی موضوعات پر آپ نے نثر میں بھی بہت لکھا ہے۔ تصنیف میں 'مقالات رانا بھگوان داس'، 'تاریخ تعمیر کعبہ'، 'سوانح سرمد شہید'، 'حیات خسرو'، 'نظم ونسق مغلیہ' اور 'داستان سندھی زبان' شائع ہو چکی ہے۔ آپ نے نعتیں بھی خوب کہیں ہیں جو اکثر رسایل وجرائد میں شائع ہوئی ہیں۔

نمونۂ کلام:

سوئے ارض محبوب جاؤں گا یارو — میں تقدیر اپنی بناؤں گا یاروں
کوئی مجھ کو روکے مری جاں لے لے — میں جاؤں گا میں جاؤں گا یارو

نبیٔ مکرم شہنشاہِ عالی — با اوصاف ذاتی و شانِ کمالی
خدا کا جو نائب ہوا ہے یہ انسان — یہ سب کچھ تیری ستودہ خصالی

محمد مصطفٰے ہوں زینت کون و مکاں تم ہو — بصد جان والم قرباں میری جان جاں تم ہو
کہاں انساں کہاں بھگوان کہ سب ہے جلوۂ جاناں — یہ سب پردے تمہارے ہیں اسی میں ضوفشاں تم ہو

مقصد عرفاں شان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
ارفع و عالی، خلق معظم صلی اللہ علیہ و سلم
کعبۂ عرفاں نور دل و جاں سیدی شاں راحت بھگوانؔ
ذات مقدس زینت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

رونق کعبہ، زینت منبر، اللہ اکبر اللہ اکبر — سرور عالم ہادی اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر
ہادی اعظم، محسن اعظم شاہ رسولاں خواجہ بھگوانؔ — ذات مقدس طیب واطہر اللہ اکبر اللہ اکبر

بینی نارائن:

مہاراجہ لکشمی نارائن کے فرزند اور رائے کھیم نارائن رندؔ کے بھائی تھے۔ لاہور میں رہتے تھے۔ 'ایوان جہاں' کے مصنف ہیں جس میں شعرائے اردو کے کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں انھوں نے اپنے خیالات بھی لکھے ہیں۔ وہ اپنے وطن میں خوشی اور آرام سے وقت گذار رہے تھے کہ حالات میں تبدیلی آئی تھی اور انھوں نے کلکتہ کا رخ کیا وہاں بھی قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔ ۱۲ ربرس شدید مشکلات کے شکار رہے، آخرش حیدر بخش قابلؔ کی خاص توجہ سے ان

کی ملاقات ہندوستانی زبان داں روبک سے ہوئی انھوں نے بینی نارائن کو اپنی ملازمت میں لے لیا اس عرصہ میں 'ایوان جہاں' ترتیب دی۔ انھوں نے ایک اور کتاب 'قصہ شاہ درویش' لکھی جس کا مضمون فارسی قصہ نظم 'بلالی' کا ہے اس کا نام بھی یہی ہے طبقات شعرائے ہند کے مؤلف کریم الدین نے بینی نارائن کو عالم تسلیم کیا ہے۔ ایوان جہاں کے اول حصہ میں درج ذیل نعتیہ اشعار ملتے ہیں:

کر آغاز سخن حمد خدا سے پھر اس کے بعد نعت مصطفےٰ سے
خدا خالق ہے ہم ہیں آفریدہ نبی جتنے ہیں سب ہیں برگزیدہ
محمدؐ پر ہوئی ختم رسالت علی ہے مالک ملک ولایت
ہمیشہ یاد تو ان کو کیا کر انہی کا ساغر الفت پیا کر
الٰہی تیرے بندے جتنے ہیں خاص جناب ان کی ہی رکھتا ہوں میں اخلاص
مجھے اس وسیلے سے شب و روز غموں پر رکھ مظفر اور فیروز

منشی ہرگوپال تفتہ:

جناب منشی ہرگوپال تفتہ ۱۷۹۹ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد موتی لال نے ابتدائی تعلیم کا انتظام گھر پر ہی کیا۔ فارسی کا شوق شروع ہی سے تھا۔ انگریزی محکمۂ بندوبست میں قانون گو رہے لیکن شاعری کے شوق میں نوکری کو خیر آباد کہہ دیا۔ کچھ عرصہ جے پور میں ملازمت کی۔ جناب ہرگوپال نے ابتدا میں راضی تخلص رکھا اوایل مشق میں مرزا محمد حسن قتیل کی شاگردی اختیار کی۔ جناب قتیل کی وفات کے کئی سال بعد مرزا غالب سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ انھوں نے تخلص تفتہ رکھا۔ آپ مرزا غالب کے محبوب شاگردوں میں تھے۔ تفتہ نے تمام عمر فارسی میں شعر کہے۔ جناب ہرگوپال تفتہ نے چار دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔ پہلا، دوسرا اور چوتھا دیوان بالترتیب آگرہ، لاہور اور آگرہ میں چھپا۔ تیسرے دیوان کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا اس کا ذکر تذکرۂ صبح گلشن

اور تذکرۂ روز روشن موجود ہے۔ جناب تفتہؔ نے سعدی کو بوستاں کے تتبع میں ایک مثنوی لکھی جس کا نام انھوں نے اپنے استاد کے مشورہ سے ''سنبلستان'' رکھا تھا۔ یہ مثنوی مکمل ہوئی۔ اس میں حمد الٰہی کے بعد اپنے موحد ہونے کا اقرار کیا گیا ہے اور اس کے بعد درج ذیل نعت کے اشعار ملتے ہیں۔

جناب ہر گوپال تفتہؔ نے ستمبر ۱۸۷۹ء میں انتقال کیا۔

محمدؐ فرستاد و رحمت نمود — محمدؐ طریقِ شریعت نمود

محمدؐ فرستادۂ آن کہ بست — دل اندر محمد ز روز الست

امام رسل اشرف انبیا — مقدم نشینِ مست انبیا

ہمہ خلق و شفقت ہمہ عدل و داد — تو گوئی کہ از غایتِ اتحاد

خدا جملہ حرف محمد نمود — خدائی و غیر از خدائی کہ بود

جان رابرٹ جانؔ:

جانؔ تخلص اور والد کا نام جنرل سر ابراھیم ۔کے۔ بی تھا۔ جنھوں نے برصغیر میں اعلیٰ فوجی خدمات انجام دی۔ جان رابرٹ نے ایک مسلم خاتون شہزادی بیگم سے شادی کی جو نواب رمضان علی خاں کی نواسی تھی۔ جان رابرٹ نے شادی کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا۔ انھوں نے باقی زندگی ایک صالح مسلمان کی طرح گذار دی۔ آپ اردو کو مادری زبان کی طرح بولتے تھے۔ سخن سنج اور نکتہ ور تھے۔ انھوں نے غزل کے علاوہ نعت اور سلام میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ آپ ۱۲ ؍مئی ۱۸۹۲ء کو انتقال کر گئے۔

نمونۂ کلام:

ہے عرش پہ قوسین کی جا جائے محمدؐ — رشک یدِ بیضا ہے کف پائے محمدؐ

عیسیٰ سے بڑھ کر لب گویائے محمدؐ — یوسف سے ہے بڑھ کر رخ زیبائے محمدؐ

والشمس تھے رخسار تو واللیل تھی زلفیں — ایک نور کا سورہ تھا سراپائے محمدؐ

اندھیرا ہوا کفر کا سب دور جہاں سے
روشن ہوا عالم جو یہاں آئے محمدؐ

عصیاں سے بری ہو کے قیامت میں اٹھے گا
بے شک ہے بہشتی جو ہے شیدائے محمدؐ

شیو پرشاد وشسٹ جاویدؔ:

ادبی دنیا میں اہم شخصیت شیو پرشاد وشسٹ کا تخلص جاویدؔ ہے۔ پنڈت رام چندر جی وشسٹ کے گھر ۵؍جون ۱۹۲۰ء کو موضع فتح پور ضلع فرید آباد، ہریانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے دہلی یونیورسٹی سے ۱۹۵۰ء میں ایم اے اردو اور ۱۹۷۸ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے پی ایچ۔ڈی کیا۔ ۳۵؍سال دتی کالج کے شعبہ اردو سے وابستہ رہے۔ آپ کو مولوی عبدالحق مرحوم کی شاگردی اور حضرت شمیم کریانی سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ جناب جاویدؔ وشسٹ دکنی ادب کے ماہرین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ دکنیات سے متعلق آپ کی آٹھ مطبوعات ہیں۔

جناب وشسٹ کو کئی ادبی انعامات و اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔ ہریانہ اردو اکادمی کے فاؤنڈر سکریٹری تھے۔ تصنیف و تالیف اور تخلیق و تحقیق میں جناب جاویدؔ وشسٹ نے جو تاریخی خدمات انجام دی ہیں وہ ہر دور میں یاد رکھی جائیں گی۔

نمونہ کلام:

اک برہمن ہند تجھے پیار کرے ہے
چوٹی سے ہمالہ کی نمسکار کرے ہے

جو برہم کو جانے اسے کہتے ہیں برہمن
کچھ جان کر اپنا تجھے آدھار کرے ہے

ہے اکھیاں میں اسکے شب معراج کا منظر
وہ موند کے آنکھیں ترا دیدار کرے ہے

محرم ہے ترے فیض سے توحید خدا کا
کثرت کے ہر اک رنگ کا ستکار کرے ہے

ہے عرشِ بریں تیرے لیے صاحب لولاک
قرآں تری عظمت ہی کا اظہار کرے ہے

تو صاحب یٰسین تو ہی صاحب طٰہٰ
قرآن ہے شاہد کہ خدا پیار کرے ہے

بے تیغ و سناں ایک فقط کلمۂ حق سے
تو قیصر و کسریٰ کو نگوں سار کرے ہے

رحمت ہے در عالم کے لیے تیری تجلی
تجھ پر ہی بھروسہ یہ گنہگار کرے ہے

ہے اور ہی عالم میں ترا عاشق جاوید
تیری ہی محبت ہے جو سرشار کرے ہے

....

بشر کے سوئے ہوئے دل جگادیئے تو نے
اندھیری رات میں دیپک جلادیئے تو نے

سماج میں کوئی زر دار ہو نہ مفلس ہو
کچھ ایسے طرز معیشت سکھادیئے تو نے

بڑی مہیب تھیں باطل کی آندھیاں پھر بھی
جہاں میں حق کے دیئے جگمگادیئے تو نے

کسے نصیب ترے دل کی وسعتیں شاہا
رقیب کے لیے دامن بچھادیئے تو نے

بٹھا کے ایک ہی صف میں خدا کے بندوں کو
سب امتیاز من و تو مٹادیئے تو نے

نشان فقر ملے فاطمہؓ کی چادر میں
نہ جانے کتنے ستارے بنادیئے تو نے

عطا کیا جو عبادت کا درجہ محنت کو
حیات نو کے شگوفے کھلادیئے تو نے

بڑھائی سارے زمانے میں شان مزدوری
جو ہاتھ جانب تیشہ بڑھادیئے تو نے

بجائے تیغ ترے ہاتھ میں رہا قرآن
جہاد حق کے نئے رخ دکھادیئے تو نے

بس ایک ضرب سے باطل کو پاش پاش کیا
غرور لات و ہبل کو ڈھادیئے تو نے

پہنچ سکے نہ فرشتے بھی جس بلندی پر
قدم وہاں سے بھی آگے بڑھادیئے تو نے

اتر سکے نہ تا زیست نشۂ جاوید
مے ولا کے وہ ساغر پلادیئے تو نے

پنڈت رگھونندراو جذب:

۲۰ راپریل ۱۸۹۴ء کو گنگاوتی ضلع رائچور کرناٹک میں پیدا ہوئے۔ انکے والد پنڈت رام راؤ تھے۔ دو سال کی عمر میں پالن پور ضلع محبوب نگر آندھرا پردیش کی ایک متمول برہمن بیوہ شریمتی سیتا بائی نے

انھیں گود لے لیا تھا جہاں انکی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے ہوئی۔ تکمیل تعلیم کے بعد وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۴۸ء میں پالن پور سے حیدر آباد منتقل ہو گئے۔ مولانا احمد حسین شوکت میرٹھی سے اصلاح لیتے تھے۔ انھوں نے غلام محمد عرف ترک علی شاہ ترکی اور سید نذیر حسن سخاؔ دہلوی سے بھی استفادہ کیا بعد میں امجد حسین امجدؔ حیدر آبادی اور شیام مہندر لال جگرؔ بریلوی سے بھی رجوع کیا۔ جذبؔ رباعی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ آگرہ اردو مجلس نے انھیں ''خیامِ آندھرا'' کا لقب دیا تھا۔ انکی غزلیات کا مجموعہ 'سازِ غزل' ۱۹۷۲ء میں چھپ چکا ہے۔ رباعیات کے پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا ایک اور کارنامہ جنوبی ہند کے شعرا کا ضخیم تذکرہ ''خمخانۂ سخن'' ہے جو انھوں نے ۱۳۷۱ھ میں مکمل کیا تھا یہ ابھی طبع نہیں ہوا ہے۔ جذبؔ ۲۸ ستمبر ۱۹۷۳ء کو اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے۔

نمونۂ کلام:

لکھتا ہوں ثنائے رخ نیکوئے محمدؐ ہے روکش خورشید فلک روئے محمدؐ

اوصاف محمدؐ کے ہوں ظاہر نہیں ممکن ہے غیرت خورشید فلک روئے محمدؐ

معراج میں سب چیزیں انہیں دیکھ رہی تھیں بر حق کے سوا تھا نہ وہاں روئے محمدؐ

حوران جناں سب ہوئیں قربان شب معراج دیکھا جو نہال قدِ دلجوئے محمدؐ

اس جذبؔ دل افگار کو رویا کسی شب یارب تو دکھا دے رخِ نیکوئے محمدؐ

بدھ پرکاش گپتا جوہرؔ دیوبندی:

جناب بدھ پرکاش عرف شری کستوری لال جوہرؔ دیوبندی کے نام سے ادبی دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۲ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ گیارہ سال کی عمر میں سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے لیکن خاندان کے بزرگوں نے بڑے ناز و نعم سے پرورش کی ۱۹۳۲ء میں ہائی اسکول میں امتحان دیا اور یہیں سلسلۂ تعلیم ختم کر دیا۔ خوشحال گھرانے کے فرد ہونے

کی وجہ سے تجارت میں منہمک ہو گئے۔ آپ سیاست میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں بابو شمبھو دیال بھٹنا گر سرشار سہارنپوری سے شرف نیاز حاصل ہوا اور انہیں کی رہنمائی میں شاعری کا باقاعدہ آغاز کیا۔ سرشار صاحب کے انتقال کے بعد آپ کو ان کا جانشین قرار دیا گیا۔ جناب جوہر دیوبندی کی پانچ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ تمام اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی ہے۔ حمد، نعت، سلام اور منقبت، رباعی، قطعہ، طنز و مزاح پر دسترس حاصل ہے۔

نمونۂ کلام:

سر عرش اعظم جو آئے محمدؐ ۔۔۔ سجی بزم یزداں برائے محمدؐ
زمیں تا فلک ہے ضیائے محمدؐ ۔۔۔ محمد کے جلووں کا عالم نہ پوچھو
یہی ہے وہ غار حرائے محمدؐ ۔۔۔ کھلے ہیں جہاں راز ہائے شفقت
کہ بیٹھا ہوں زیر ردائے محمدؐ ۔۔۔ جلائے گا کیا مجھ کو خورشید محشر
فضا میں جو گونجی صدائے محمدؐ ۔۔۔ لرزنے لگی کفر و باطل کی دنیا
فقط ہیں نشانات پائے محمدؐ ۔۔۔ یہ خورشید کیا ہے یہ مہتاب کیا ہے
بشر کیا کرے گا ثنائے محمدؐ ۔۔۔ رقم ہو چکے وصف قرآں میں جوہر

چندر پرکاش جوہر بجنوری:

جناب چندر پرکاش جوہر ۷ار فروری ۱۹۲۳ء کو بجنور کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پنڈت رام چند اسکول ٹیچر تھے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ معاشی مجبوریوں نے سلسلۂ تعلیم ختم کر دیا لیکن ذاتی مطالعہ اور مشاہدہ سے اپنے ذہن کو منور کرتے رہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ملازمت کے سلسلے میں میرٹھ میں قیام کیا۔ یہاں کی ادبی فضا نے انھیں بہت متاثر کیا۔ آپ کی نگاہِ انتخاب جناب اظہار حسین خاں پر ٹھہری جو ادبی دنیا میں

اظہار رامپوری کے نام سے مشہور تھے آپ ان کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۴۸ء سے الٰہ آباد میں سکونت کرتے ہیں۔ جناب جوہرؔ بجنوری ۱۹۴۰ء سے باقاعدہ شعر کہہ رہے ہیں۔ مختلف شعری اصناف سخن میں طبع آزمائی فرماتے ہیں مگر غزل کو محبوب رکھتے ہیں۔ آپ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں۔ ہر چند آپ کی شاعری کی بنیاد روایت کی اعلیٰ قدروں پر قائم ہے لیکن با مقصد جدیدیت کے بھی پرستار ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں ادبستان قائم ہوئی۔ آپ بھی ان کے بانی اراکین میں شامل ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں آپ کا پہلا مجموعہ 'اوراق گل' منظر عام پر آیا ہے۔ غزلیات اور نعتوں کا مجموعہ زیر ترتیب ہیں۔ جناب جوہرؔ بجنوری کی شاعرانہ خصوصیات پر غلام ربانی تاباںؔ فرماتے ہیں،

"وہ غزل اہتمام سے کہتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی ہیں موجودہ دور میں یہ دونوں باتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اکثر غزل گو نوجوان آسانی کا شکار ہیں اور غزل پڑھنے والوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جس نے غزل سرائی اور غزل گائیکی کا فرق مٹا دیا ہے۔ جوہر بجنوریؔ ان دونوں باتوں سے بچے ہیں اس لیے میں ان کی قدر کرتا ہوں۔"

جناب تسکین قریشی مرحوم نے جوہر بجنوری کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے،

"آپ کی غزل بہت خوب ہے، آپ کہتے اچھا ہیں۔ متانت اور شائستگی اگر غزل میں نہ ہو تو میں اس کو ذہنی عیاشی سمجھتا ہوں۔"

جناب جگن ناتھ آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

"جوہر بجنوری کی غزل روایت کے احترام کی ایک خوبصورت مثال ہے لیکن روایت کا احترام اپنی حدود میں رہا ہے اور یہی جوہر صاحب کی غزل کا حسن ہے"

جناب جوہرؔ بجنوری نے اپنی شاعری میں روحانیت کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور رحمت دو عالم کی آفاقی

شخصیت کے سیرت و کردار کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

خم جس کی فضیلت پہ دو عالم کی جبیں ہے
سجدۂ کونین وہ طیبہ کی زمیں ہے

دنیا کا عقیدہ بھی اپنا بھی یقیں ہے
جو بات ہے طیبہ میں کہیں اور نہیں ہے

اے خاک مدینہ ترے اعجاز کے صدقے
ہے عرش نشیں جو بھی یہاں فرش نشیں ہے

کیوں گلشن طیبہ میں کروں خواہش جنت
کیا خلد بریں اس کے سوا اور کہیں ہے

جوہر کوئی عالم ہو ازل ہو کہ ابد ہو
ہر حال میں دل سرور عالم کے قریں ہے

اللہ رے عروج شبستان محمدؐ
ہے عرش بریں زینت ایوان محمدؐ

لو مل ہی گیا حشر میں بخشش کا سہارا
ہاتھ آہی گیا گوشۂ دامانِ محمدؐ

ہے ذات نبیؐ باعث تکوین دو عالم
کونین کی ہر شئے پہ ہے احسان محمدؐ

کونین ہے اک کوچۂ محبوب دو عالم
فردوس ہے اک گوشۂ دامانِ محمدؐ

ہر ایک کا حصہ نہیں نعت نبی جوہر
اللہ جسے بخش دے عرفان محمدؐ

خدا کے بعد کیا حکم نبی سے ہو نہیں سکتا
جو ہو سکتا ہے ان سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا

کہاں یہ دن کی تاریکی کہاں طیبہ کے وہ جلوے
تقابل تیرگی کا روشنی سے ہو نہیں سکتا

ثنائے سرور کونین اور اشعار میں جوہر
یہ ایسا کام ہے جو شاعری سے ہو نہیں سکتا

مہندر پرتاب چاند:

جناب مہندر پرتاب چاند یکم اگست ۱۹۳۵ء کو کروڑی لال احسن کے یہاں ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد کروکشتر میں سکونت اختیار کی۔ ادیب فاضل اور ایم، اے کی اسناد حاصل کیں اور ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ آپ کروکشتر یونیورسٹی میں ڈپٹی لائبریرین کے علاوہ اردو فارسی کے استاد ہیں۔ شاعری کا شوق طالب علمی کے زمانے سے ہے۔ حضرت قیس جالندھری

کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ جناب مہندر پرتاب چاند کا قلم نظم ونثر دونوں میں رواں ہے اور جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ کا مجموعۂ کلام 'حرف راز' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ہندی رسم الخط میں دوسرا مجموعہ 'زخم آرزوؤں' کے منظر عام پر آیا۔ آپ نے خواجہ الطاف حسین حالی کی غزلیات کا انتخاب بھی شائع کیا ہے۔ 'حرف آشنا' زیر ترتیب ہے۔ ماہنامہ 'معاصر' لدھیانہ کے سرپرست اور پندرہ روزہ 'ہوشیار' کے مدیر رہ چکے ہیں۔ بزم سخن کروکشتر کے طویل عرصے سے سکریٹری ہیں۔ ہریانہ کے شعرا کے تذکرہ کے مرتبین نے آپکی شاعری کے بارے میں یہ رائے دی ہے:

"آپ کے کلام میں داخلیت کا عنصر نمایاں ہے۔ احساس اظہار میں ہم آہنگی قارئین کو متاثر کرتی ہے"

نمونۂ کلام:

دل نشیں ہے پیام احمد کا جان ہے کلام احمد کا
مہر، الفت، وفا، مروت، رحم خنجر بے نیام احمد کا
حق میں اعدا کے بھی دعائیں دیں دیکھئے تو مقام احمد کا
کیوں نہ اس کا غلام ہو ہر شخص ہو گیا جو غلام احمد کا
میرے دل میں ہے میرے لب پر بھی ہے یاد احمد کی نام احمد کا
پرسش روز حشر کا کیا ڈر کیا نہیں میں غلام احمد کا
چشم آب حیات کا ہے یہ یا ہے اے چاند جام احمد کا

کشور چندر سین حقیر آستانی:

کلاسیکی رچاؤ کے شاعر ڈاکٹر کشور چندر سین قصبہ میانی تحصیل بھالوال ضلع سرگودھا پاکستان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ممبئی یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم، اے کیا۔ جناب حقیر آستانی نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے دوران تعلیم کئی اعزازات حاصل کیے۔ آپ بمبئی یونیورسٹی سے گولڈ

میڈلیسٹ ہیں۔ سینٹ زیویرس کالج کے زمانہ طالب علمی میں ڈاکٹر سر محمد اقبال اردو اسکالرشپ کے علاوہ کئی انعامات حاصل کیے۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے امریکہ کا سفر کیا اور اپنے مضمون میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ معاشیات میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ جناب حقیر آستانی نے ۷ سال بمبئی یونیورسٹی میں بہ حیثیت پروفیسر اور دو برس شکاگو میں ویزیٹر پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۵ر سال امریکہ میں مختلف عہدوں پر کام کیا۔ مختصر علالت کے بعد اپریل ۱۹۸۹ء کو راہی ملک عدم ہوئے۔

جناب حقیر آستانی اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی مضامین لکھتے تھے۔ 'افکار گریزاں' اور 'خبط و ضبط' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔ افکار گریزاں میں آپ کا یہ نعت نما کلام شامل ہے۔

تماشہ گر تماشائی تماشہ تم ہی سے ہے — کہ اب داور کون و مکاں اب لامکاں تم ہو
مقرر نہ ہوں جیسے حدیں سیل تکوں کی — ابھی تم ذرہ خاکی ابھی دونوں جہاں تم ہو
مسیحائی مسیحوں کی فقیروں کی زبوں حالی — غرور مہ وشاں تم ہو نیارے کشاں تم ہو
ذرا بھی جس کی شدت میں کمی بیشی نہیں ہوتی — اس ابدی پیاس کے مختار تم پیر مغاں تم ہو

پنڈت رتن موہن زتشی خار دہلوی:

پنڈت موصوف ۱۵ر جنوری ۱۹۱۶ء کو لاہور میں پیدا ہوئے آپ ادبی دنیا میں ایک اہم شخصیت اور داغ دہلوی کے شاگرد پنڈت تربھوناتھ زار دہلوی کی یادگار ہیں جو شمالی ہندوستان کے سربرآوردہ کشمیری برہمن علما کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خار صاحب کی تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔کام کے بعد سنٹرل سکرٹیریٹ میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۷۴ء میں سبکدوش ہوئے خار دہلوی نے ابتدا میں اپنے والد سے اصلاح لی۔ بعد ازاں حضرت داغ دہلوی کے داماد اور جانشین نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی کے باقاعدہ شاگرد ہوئے۔ آپ کا پہلا مجموعہ 'خلش' شائع ہوا اور سات سال کے بعد 'خارزار' منظر عام پر آیا۔ خارزار میں دونوں نامور باپ

بیٹے کے تخلص بھی ایک جا ہیں یعنی خآر اور زآر۔ خآر دہلوی کے اشعار کا مطالعہ آج کے دور میں اس لیے عام ہے کہ اس آئینہ میں ہمیں دہلی کے تہذیب، شرافت اور شاعری کی ایسی تصویر ملتی ہیں جن کی مدد کے بغیر نئی نسل تقسیم سے پہلے کے نئی دہلی کے ادبی ماحول کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

نمونۂ کلام:

نعت نبیؐ

دنیا تو کیا دین کی دولت ترے نثار
جانِ عزیز ختم رسالت ترے نثار

محشر میں تو کرے گا شفاعت ترے نثار
محبوب حق ہے تو تری امت ترے نثار

تجھ کو ملا ہے سرور کونین کا لقب
دونوں جہاں کی حرمت و عظمت ترے نثار

از بس کلام پاک کا تجھ پر ہوا نزول
بے شک فصاحت و بلاغت ترے نثار

حاصل جسے ہو قرب ترا وہ ہے خوش نصیب
دنیا کی عیش و عشرت جنت ترے نثار

پھر اہل شر نے سر پر اٹھایا ہے آسمان
آ اِ بشر کو تیری ضرورت ترے نثار

بغض و حسد نفاق اٹھائے ہوئے ہیں سر
دے آ کے صلح کل کی بشارت ترے نثار

خیر البشر جہاں میں قحط الرجال ہے
آدم بخود ہے خود بشریت ترے نثار

دنیا کی بھاگ دوڑ ہے اہل ہوس کے ہاتھ
آ کر سنبھال اپنی امانت ترے نثار

لایا ہے خآر چمن کے عقیدت کے چند پھول
ہے آج تیرا جشن ولادت ترے نثار

کشن لال خنداؔں دہلوی:

کشن لال، معزز کائستھ گھرانے کے فرد بھگوان داس کے گھر ۲۵ مئی ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے صاحب علم والد اردو کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپ نے علامہ گوپی ناتھ امؔن کی شاگردی اختیار کی۔ امؔن نے ان کا تخلص تجویز کیا تھا۔ خنداؔں دہلوی طنز و مزاح کے مشہور شاعر گذرے ہیں۔

ان کا مجموعہ کلام 'گل خنداں' شائع ہوا۔ جس کے بارے میں رام گوپی ناتھ امنؔ، ڈاکٹر خلیق انجم، کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، رفعت سروش نے اپنی آراء پیش کی ہیں۔ انھوں نے نعت بھی اپنے رنگ میں کہی ہے۔ سبحان اللہ خوب نعت ہے۔

کر گئی ختم سب تو ذات رسول — تھی جو رسمیں تمام الول جلول
شرع احمد نہ کرسکا وہ قبول — تھا بوجہل ایسا ہٹ دھرمی
پڑ گئی خود انھیں کے سر پہ دھول — تھے جو کیچڑ اچھالنے والے
ہوئے ناراض مرد نا معقول — دیکھ کر روشنی رسالت کی
مانتے تھے حصول کو اصول — ساتھ دیتے وہ کیا محمدؐ کا
جہلا جب نہ ہو سکے مقبول — ہوئے آمادہ بدشگال پر
شعر خنداںؔ کے ہوگئے مقبول — تھی عقیدت جو ذات احمد سے

شدھ پرشاد پانڈے داغؔ بسوانی:

شدھ پرشاد پانڈے نام، داغؔ تخلص، قصبہ بسوان، ضلع سیتاپور مسکن، خوش حال اور زمیندار خاندان کے فرد بیج ناتھ پانڈے کے گھر ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ ناز و نعم میں پرورش پائی۔ ایم اے، بی، اے آنرس اور ایل ایل بی تھے۔ قومی، سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے تھے۔ بہ حیثیت انسان نہایت ہمدرد، خلیق، ہنس مکھ، بے تکلف اور زندہ دل و وسیع المشرب تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں داغ صاحب کو فارسی کے استاد محمد عظیم واثقؔ اور اردو کے استاد باسط علی باسطؔ بسوانی جیسے معروف شعرا سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ باسطؔ صاحب اپنے زمانے کے مشہور شاعر حضرت محمد علی صدیق جگرؔ بسوانی تلمذ حضرت نے جگر امیرؔ مینائی کے ممتاز شاگردوں میں تھے۔ باسط صاحب کے توسط سے داغ صاحب نے جگر صاحب تک رسائی حاصل کرلی اور ان کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہوگئے۔ داغ صاحب ہندی کے بھی اچھے شاعر تھے۔ سدھیؔ تخلص کرتے تھے۔ داغ صاحب

نے جملہ اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی۔ نعت گوئی کی طرف خاص رجحان تھا اور اچھی نعتیں کہتے تھے۔

شمبھو دیال دانش:

آپ ریاست جھالر پائن میں بہ حیثیت جج شاندار خدمت انجام دے چکے ہیں۔ تذکرہ نگار محفوظ الرحمٰن نے اپنے تذکرے میں آپ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ کا دل رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ کی محبت سے لبریز ہے اور اکثر فرطِ الفت میں آپ نظم فرمایا کرتے تھے۔ درج ذیل نظم آپ کے حسن عقیدت کی عکاسی ہے۔ دانش نے یہ نظم مولوی محمد علی کی خدمت میں ارسال کی تھی جسے انھوں نے اخبار 'ہمدرد' میں مورخہ ۱۶ر رمضان المبارک کو شائع کیا تھا۔ اس نظم میں آنحضرت کی جوانمردی اور خدائے پاک کی مدد پر اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح ایک دشمنِ رسول نے آپ پر حملہ کرنا چاہا اور کس طرح خدا کی مدد سے بچ گئے۔

دانش شمبھو دیال کی یہ نظم اخبار 'ہمدرد' میں مورخہ ۱۶ر رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ کو شائع ہوئی تھی۔

ایک دن حضرت محمد مصطفیٰ بانیِ اسلام فخرِ انبیاء
پھر رہے تھے جنگلوں میں گھومتے پھرتے پھرتے آپ جب کچھ تھک گئے
تو وہیں پہ ایک جھاڑی کے تلے بے تکلف بے غل و غش سو گئے
ہم رکابی میں کوئی حاضر نہ تھا کوئی نوکر تھا نہ کوئی آشنا
آدمی کا تو وہاں مذکور کیا آپ کے ہمراہ سایہ تک نہ تھا
تھی فقط اک ذات اقدس آپ کی سایہ افگن یا خدا کی شان تھی
اتفاقاً ایک دشمن آپ کا چلتے پھرتے اس طرف کو آگیا
اس نے جب دیکھا انھیں غافل پڑا تو وہ اپنے دل میں بے حد خوش ہوا
کھینچ لی تلوار فوراً میان سے مستعد تھا قتل کرنے کے لیے

اتنے میں یہ خیال آیا اسے — کیا اسے یوں قتل کرنا چاہیئے
ایک غافل آدمی کو مارنا — کیا شجاعت کا یہی ہے مقتضا
سوچ کر یہ کردیا بیدار انھیں — اور عالی ہمتی کے جوش میں
اس طرح للکار کے کہنے لگا — لے بتا اور کون حامی ہے تیرا
کون تجھ کو اب بچانے آئے گا — لے بلا! ہے وہ محافظ کون سا
میں بھی دیکھو کون ہے وہ غمگسار — کون سا آتا ہے بن کر جان نثار
دیکھ اب جوہر میری تلوار کا — اب کئے دیتا ہوں تیرا خاتمہ
سن کے اتنی بات شاہِ بحر و بر — کانپ اٹھے غصہ میں مثل شیر نر
تند لہجہ میں کہا اے بد یقیں — میرا حامی ہے وہ رب العالمین
جس نے لفظ کن سے یہ سارا جہاں — یہ بیاباں یہ زمین یہ آسماں
یہ کروڑوں۔ آدمی پیدا کیے — چاند سورج حکم سے اس کے بنے
پتے پتے سے عیاں جس کا جمال — ذرہ ذرہ میں نہاں حسنِ کمال
تو مجھے اور قتل کر ڈالے بھلا — تیری یہ تلوار اور میرا گلا
تیری کیا بنیاد کیا ہستی تری — کیا شجاعت کیا جوانمردی تری
مجھ کو اے فہم تو سمجھا ہے کیا — ہوش میں آ ہوش میں بکتا ہے کیا
وار کر رکھتا ہے کچھ ہمت اگر — لے اڑا موجود ہے یہ میرا سر
جب یہ استقلال دیکھا آپ کا — دل پہ دشمن کے اثر ایسا پڑا
چھا گیا اس پر وہ رعب احمدی — آپ اپنے کی نہ کچھ سدھ بدھ رہی
ہاتھ سے تلوار فوراً گر پڑی — مارے ڈر کے اس کی گھگی بن گئی

بس ادھر تلوار کا گرنا ہوا
تھی ادھر مٹھی میں حضرت کے قضا

اور فرمایا کہ اے غفلت شعار
تو نے دیکھی رحمتِ پرور دِگار

تجھ کو جس شئے پہ نہایت ناز تھا
جس کے برتے پر یہ دم خم تھا ترا

دیکھ وہ قبضہ میں کس کے آگئی
مردنی چہرے پہ کس کے چھا گئی

اب بتا کٹنے پہ ہے کس کا گلا
کس پہ ہوگا وار اس شمشیر کا

اب کہاں وہ لن ترانی ہے تری
وہ جوانمردی کہاں جاتی رہی

تو بتا اب ترا حامی کون ہے
تیرا اس جنگل میں ساتھی کون ہے

بول اے کم بخت بت کیوں بن گیا
دیکھ کر تلوار کو کیوں کانپ اٹھا

کیوں ذرا سا منہ نکل آیا ترا
موت سے پہلے ہی تو کیوں مر مٹا

تو بھی منہ سے کیوں نہیں کہتا وہی
سن چکا ہے میرے منہ سے جو ابھی

پھینک تلوار فرمایا۔ یہ لے
اور کہہ اپنے دل۔ پُردرد سے۔

مجھ کو بھی ہے اب اسی کا آسرا
اب وہی میری مدد کو آئے گا

بن رہا تھا جو ابھی تیری سپر
تھا بھروسہ تجھ کو جس کی ذات پر

اس نے دیکھی جب یہ عالی ہمتی
اور یہ تقریر آنحضرت سنی

ہوگئی اس کی تو کچھ حالت ہی اور
ہوگئی اس کی تو کیفیت ہی اور

کیا کہوں کیا س کا حال زار تھا
رو رہا تھا ان کے قدموں پر پڑا

جگدیش مہتہ درد:

ڈاکٹر جگدیش مہتہ درد کا آبائی وطن ساہوولا (سیالکوٹ) پاکستان ہے جہاں آپ ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد ترک وطن کر کے دہلی میں سکونت اختیار کی۔ حضرت منور لکھنوی کے

تلامذہ میں شامل ہیں۔ موصوف ماہنامہ 'حقیقت بیانی' دہلی کے سرپرست اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اب کئی سال سے کینڈا میں مقیم ہیں اور علم و ادب کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

نمونہ کلام:

اب عمر کا لنگر ٹوٹ گیا ہو مجھ پر نظر یا شاہ عرب
اعمال بہ پردۂ ظلمت ہے لو میری خبر یا شاہ عرب
گو داغ ہوں عظمت انساں پر مدہوش شراب عصیاں ہوں
سیرت میں اگرچہ شیطان ہوں پر ہوں تو بشر یا شاہ عرب
اب دل ہے درد کا وقف الم وحشت بھی نہ جانے کیوں ہے اسے
شب ساری گذری غفلت میں ہے وقت سحر یا شاہ عرب

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ:

پروفیسر دھرمیندر ناتھ مشہور شاعر حضرت امن لکھنوی کے صاحبزادے ہیں۔ ۲۴ر اپریل ۱۹۳۴ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ میں حاصل کی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے شعبۂ سیاسات میں ایم۔اے، پی ایچ۔ ڈی کیا اور پبلک ایڈمنسٹریشن میں ڈپلوما حاصل کیا۔ دہلی یونیورسٹی کے ایک کالج میں شعبۂ سیاسیات کے صدر رہے۔ اردو صحافت سے بھی وابستگی رہی۔ آپ یونیورسٹی کے پبلک ایڈمنسٹریشن کے پی ایچ ڈی اسکالر کے گائیڈ رہے۔ اردو، ہندی، اور انگریزی کے اخبار و رسائل میں مضمون لکھتے رہے۔ دلی کے اسٹیٹ کمیشنس اسکاوٹس کے علمی اداروں میں تنظیموں سے بھی وابستہ ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ غیر ملکوں میں بین الاقوامی کانفرنسوں میں نمائندگی کر چکے ہیں۔ شاعری کا ذوق ورثے میں ملا ہے آپ ایک خوش فکر شاعر ہیں۔ حمدیہ، نعتیہ اور منقبتی کلام مشاعروں اور جلسوں میں پیش کرتے رہے ہیں۔ اپنے

چچا محترم سریندر لال ادیب سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔

نمونہ کلام:

کون تیرا بخت ہے اب نوحہ خوانِ زندگی — نور حق سے جب منور ہو جہانِ زندگی
بڑھ گئی دونوں جہاں میں اوج شان زندگی — نام احمد جب ہوا وردِ زبانِ زندگی
رحمت اللعالمین، شاہ امم، ہادی خلق — محسن انسانیت اے راز دانِ زندگی
کج کلاہوں کی تمنا ہے نبی تیرے غلام — تیری چوکھٹ کی غلامی میں ہے شان زندگی
صاحبِ دل میں ثنا خوان رسول عربیؐ — دل ہی کیا جو نہ ہو قربان رسول عربیؐ
رہبر عقل ہے فرمان رسول عربیؐ — ہادی قلب ہے ایمان رسول عربیؐ
اس کی چوکھٹ کی گدائی کہاں شاہوں کو نصیب — جبکہ جبرئیل ہوں دربان رسول عربیؐ
حشر میں ہم سے گنہگاروں کی قسمت دیکھیں — سر پہ ہے سایۂ دامان رسول عربیؐ

نارائن داس ٹنڈن دیاؔ بریلوی:

بریلی کے محلہ بہاری پور کے ایک تجارت پیشہ کھتری گھرانے کے فرد، بہاری سرن ٹنڈن کے گھر ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم کی ابتدا فارسی اور اردو سے ہوئی۔ مڈل تک پہنچ کر سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا۔ اپنے معلم منشی رگھو پرشاد کے مشورے پر بریلی کے ممتاز شاعر بلدیو پرشاد سوزنؔ بریلوی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے اور آخر تک انہی سے وابستہ رہے۔ دیاؔ صاحب اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے والد کے انتقال کے بعد گھر اور کاروبار کی ساری ذمہ داری ان پر آ پڑی جس کی وجہ سے شاعری کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ چھ سات سال کے بعد پھر شعر و شاعری کی طرف راغب ہوئے۔ آپ کا مجموعۂ کلام 'شام بہاراں' ۱۹۶۷ء میں عبدالباری آسیؔ اکادمی، لکھنؤ نے شائع کیا۔ اس میں نعت، غزل، نظم اور قطعہ وغیرہ اصناف کا کلام شامل ہے۔

نمونہ کلام:

کوئی مجھ سے پوچھے وقار مدینہ | ہے اکسیر ہر غم غبار مدینہ
مرے غم کا حامی مرے غم کا درماں | بنا اور رہا غمگسار مدینہ
مجھے جلد لے چل نصیب شگفتہ | کہ دل ہے مرا بے قرار مدینہ
خطائیں مری بخش دے جان امت | کہ میں بھی تو ہوں خاکسار مدینہ
ذکیؔ راہ حق میں ہم گامزن سب | یہی ہے یہی افتخار مدینہ

دامودھر ٹھاکر ذکی:

بزرگ شاعر جناب دامودھر ٹھاکر ذکی ۲۰ر اپریل ۱۹۰۳ء کو بمقام ورنگل ضلع گلبرگہ میں شیورام پنڈت کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد دیشمکھ تھے۔ ۵ رسال کی عمر میں سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ اس لیے آپ کی تربیت چچا باجی راؤ کے زیر نگرانی ہوئی۔ پانچویں جماعت میں زیر تعلیم تھے کہ مولوی اسمٰعیل شریف ازلؔ کے تلامذہ میں شامل ہو گئے اور دو سال تک فن عروض سیکھتے رہے۔ اس کے بعد حبیب اللہ ذکاؔ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ تعلیم کے اختتام پر سررشتۂ تعلیم سے منسلک ہو گئے اور اسی دوران لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ جناب دامودھر ذکی کی اردو پر دسترس دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی مادری زبان مراٹھی ہے۔ آپ کو تقریباً ہر صنف پر عبور حاصل ہے۔ موصوف کو تاریخ گوئی پر بھی مہارت حاصل ہے۔ ۱۹۶۶ء میں پہلا شعری مجموعہ 'سفینۂ ذکی' شائع ہوا جس کے آراء نگاروں میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی، محمد احمد اللہ قدیری، ڈاکٹر ضیاء صدیقی اور رائے محبوب نارائن شامل ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں ان کا دوسرا مجموعہ کلام 'اوج' منظر عام پر آیا۔ اس مجموعہ میں ۱۵ر نعتیں اور پانچ نعتیہ قطعات شامل ہیں۔ آپ کی نعتیہ شاعری بے حد معیاری ہے۔ نعت گوئی میں ذکی کا مقام بہت بلند اور قابلِ قدر ہے۔ اُن کے نعتیہ اشعار سے عقیدت اور احترام کا پورا پورا

اظہار ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبد الماجد دریا آبادی فرماتے ہیں کہ ''ایسے سرمست مداحِ رسول کو غیر مسلم کس زبان سے کہوں۔'' ان کی انسان دوستی اور حق پرستی ان کی شخصیت میں نمایاں ہیں۔ شاید یہ انہی اوصاف کا عطیہ ہے کہ وہ رسالتماب سے گہری عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

نمونہ کلام:

جو وراثتاً تھا مجھے ملا وہ گناہ سرشت مزاج تھا
میں تو آدمی تھا ہوئی خطا تو بجا کہ عفو شعار ہے
نہ کرے دوا کوئی درد کی یہ درد ہے کرم نبیؐ
ہو دراز درد کی زندگی مرے پیار کا یہ وقار ہے
چنے میں نے نعت کے پھول ہیں جو برائے نذر رسول ہیں
انہیں گر ذکی یہ قبول ہیں تو یہ بندہ شکر گذار ہے

....

کعبہ تیرا ہے مدینہ تیرا، کیا کیا ہے تیرا
دونوں عالم ہیں تیرے عرش معلی تیرا
تجھ کو رب کہدوں تو کیا کافر بندہ گستاخ
کس لطافت سے مزین ہے سراپا ترا

....

ہے رب کا سایہ گیسوئے محمدؐ خدا جانے ہے کیا روئے محمدؐ
کوئی خاک مدینہ ہی سہی دے مجھے آجائے گی بوئے محمدؐ
بہت اچھا ہوا جنت سے نکلے میسر ہے یہاں کوئے محمدؐ
کسی کو بخش دینا بات ہی کیا خدائی پر ہے قابوئے محمد

ذکی دنیا تو تم نے خوب دیکھی ذرا اب دیکھ لو سوئے محمدؐ

....

اگر ہر چلنے والی سانس میں یادِ نبیؐ ہوگی تو دل کی دھڑکنوں میں زندگی ہی زندگی ہوگی
پناہ سایۂ سیرت میں جاری بندگی ہوگی تو اپنے سامنے جلوہ بدوش اک آگہی ہوگی
نہیں منزل کی خواہش ہم کو سفر یاد محمدؐ ہے کہ میں چاہوں اگر تو سامنے منزل مری ہوگی

....

الٰہی کرم تیرا ہے بے انتہا ہے کہ توفیق ذکر حبیب خدا ہے
جو بیگانہ تجھ سے کچھ بھی نہیں وہ وہ سب کچھ ہے جس کو ترا آسرا ہے
مبارک اے دل نعت جادوانی نبیؐ کی محبت یہ فضل خدا ہے
ترے غم کی قیمت کیا جانے کوئی در بے بہا ہے جو آنسو بہا ہے

....

ذکر جمیل پر اب مائل مری زباں ہے کر فضل یا الٰہی یہ وقت امتحاں ہے
دل دے دیا ہے رب نے یاد نبیؐ کی خاطر اور مدح مصطفٰےؐ کو بخشی گئی زباں ہے
دنیا کو خیر چھوڑ مل جائیگا ذکی رب وہ سرور دو عالم گر تم پہ مہرباں ہے
نبی کے چاہنے والوں کا عالم خاص ہوتا ہے نگاہیں خاص ہوتی ہیں ذکی دل خاص ہوتا ہے
نہ عرش کی مجھے خواہش نہ خلد جانے کی ملے جو خاک محمدؐ کے آستانے کی
ترس رہا ہے زمانہ پھر اس کی نظروں کو بدل کے چھوڑ دی جس نے ہوا زمانے کی
ترا در مل گیا سب کچھ یہیں ہے اب آگے اور کیا ہے کچھ نہیں ہے
جہنم پر ہے ویرانی سی چھائی شفاعت عام ہے کچھ شک نہیں ہے
کائنات آپ کے دیدار کو ہے جی اٹھی اور اس جینے پہ حیران مسیحائی ہے

میں ہوں سرکار دو عالم کا ذکی مدح سرا　　زہے تقدیر یہ دولت مرے ہاتھ آئی ہے

دھنپت رائے تھاپر۔ رازؔ لائیلپوری:

جناب رازؔ لائیلپوری ۱۴ ؍جولائی ۱۹۲۰ء کو لائیلپور پاکستان کے ایک متمول گھرانے کے فرد شری جے، آر، تھاپر کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ مجاہد آزادی دیوان چند تھاپر کے برادر خورد ہیں۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور اردو میں ادیب کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۷ء میں دہلی منتقل ہوئے۔ آپ کو لائیلپوری، لاہور، منٹگمری اور بمبئی میں حضرت سرشار سیلانی کی سرپرستی حاصل رہی۔ ان کے انتقال کے بعد ساحرؔ ہوشیار پوری کے آگے زانوے ادب تہ کیا اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ راز صاحب شہر یار سخن پروفیسر بخشی اختر کے مخلصانہ مشوروں کو اپنے لیے باعث فخر قرار دیتے ہیں۔ آپ کی شعری خصوصیات قابل قدر ہیں۔ آپ قدامت کے ساتھ ہی جدتِ ادا میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔ جدید لفظ سازی کا انھیں امام کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ وہ اپنے پیکر خیال کو موزوں ترین الفاظ اور برمحل ترکیب سے مزین کرتے ہیں جس سے ان کی جدید اقدار اور عصری ہیئت کی بھی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ جناب راز کی پہلی تصنیف 'نور صداقت' منظومات ہندی رسم الخط میں ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔ دو شعری مجموعے 'آئینہ راز' اور 'راز و نیاز' منظر عام پر آئے۔ ان دونوں کتابوں کو اتر پردیش اردو اکادمی نے انعام سے نوازا۔ آپ کا چوتھا شعری مجموعہ 'کائنات راز' ۱۹۸۹ء میں قارئین تک پہنچا جس کے آراء نگاروں میں ساحرؔ ہوشیار پوری، گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، پنڈت رتن پنڈوری وغیرہ شامل ہیں۔

نمونہ کلام:

عاشق نہیں ہوں حسنِ جہانِ خراب کا　　شیدا ہوں دل سے میں تو رسالتمآب کا

ہے داستان آپ کی ہر ایک کتاب میں　　ہے درج ہر جریدہ فسانہ جناب کا

ذکرِ نبی کو سن کے کھل اٹھا ہے ایسے دل　　کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا
میری نظر میں سچا مسلماں ہے رازؔ وہ　　ہر لفظ جس کو یاد ہے قرآں کے باب کا

لالہ رام رتن پنڈوری:

بزرگ شاعر و ادیب پنڈت لالہ رام ۷؍جولائی ۱۹۰۷ء کو پنڈوری میں پنڈت سرداس گھٹ شاستری کے یہاں تولد ہوئے۔ آپ حضرت دل شاہجہاں پور کے شاگرد ہیں۔ چند سال پہلے شاگردان دلؔ نے ایک قرارداد کے ذریعہ آپ کو جانشین دلؔ قرار دیا ہے۔ جناب رتن پنڈروی نظم اور نثر میں مکمل عبور رکھتے ہیں آپ کے چھ شعری مجموعے فرش نظر، بہشت نظر، اندازِ نظر، پیامِ نظر، آخری نظر اور رباعیات رتن شائع ہو چکے ہیں۔ موصوف کی شعری اور نثری قواعد کی بھی کئی کتابیں طالبانِ علم تک پہنچ چکی ہیں جن میں دستور قواعد اردو رہنمائے ادب، معاون الادب، لطائف الادب اور فن تاریخ گوئی شامل ہیں۔ آپ کی ایک اور ضخیم کتاب 'گلشن اردو' شملہ سے شائع ہوئی۔ محترم رتنؔ پنڈوری کی 'ہندی کے مسلمان شعراء' کے نام سے ایک اور کتاب منظر عام پر آئی ہے۔ جس میں مسلمان شعرائے ہندی کی سوانح مع تصویر ترتیب دی گئی ہے۔ 'نورتن' کو کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی نے شائع کیا جس میں آپ کے ادبی، فنی، تحقیقی اور تنقیدی مضامین یکجا ہیں۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے امتحان ادیب کے کورس میں کئی سال شامل رہی ہے۔ حضرت رتن پنڈوری کی تصانیف پر مختلف سرکاری ادبی اکادمیوں کی جانب سے ایوارڈ دیئے گئے ہیں۔ دوردرشن چنڈی گڑھ کی جانب سے ابوالبلاغت کا خطاب ۲۱۰۰ روپئے کی تھیلی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے پنجاب حکومت نے آپ کو 'راشٹر کوی' تسلیم کرتے ہوئے۔ ۹۱۰۰ روپے کی تھیلی پیش کی ہے۔ مان پتر اور خلعت بھی پیش کی گئی ہے۔ آپ نے پٹھان کوٹ میں ۴؍نومبر ۱۹۹۰ء کو وفات پائی۔

نمونۂ کلام:

آیا ہے لب پہ نام رسول کریم کا
جلوہ تڑپ اٹھا ہے ریاض نعیم کا

بحر عدن میں لاکھ ہوں لولوئے شاہوار
کچھ رنگ روپ اور ہے درِ یتیم کا

حسن ازل نے بھی شہ والا کی داد دی
اعجاز جب عیاں ہوا ماہ دو نیم کا

وحدت کو ناز کیوں نہ ہو احمد کی ذات پر
سمجھایا جس نے راز لام میم کا

کیوں کر بیان ہو مدحتِ خیر البشر رتنؔ
ہے تنگ قافیہ مری طبع سلیم کا

نام دیورشی پٹیالوی:

نام دیورشی خلف جناب رام چند مسرا کی پیدائش بستی کلاں ضلع ہوشیار پور پنجاب ۲۶؍جنوری ۱۹۱۷ء کو ہوئی۔ بی اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد پٹیالہ میں ملازمت سے منسلک ہو گئے۔ یہاں ادبی ذوق پروان چڑھا لٹریری لیگ کے سیکریٹری منتخب ہوئے۔ آپ نے ابتدا میں نسیم نور فائلی سے اصلاح لی۔ بعد میں حضرت جوشؔ ملسیانی کی شاگردی میں آگئے ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۱ء تک آپ بزم ادب چنڈی گڑھ کے جنرل سیکریٹری رہے۔ انجمن ترقی اردو ہند کی پنجاب شاخ کے اور پنجاب اردو وکاس بورڈ کے ممبر بھی رہے۔ آپ کی تصانیف 'جائزے'، آتش نغمہ، ریگ رواں، لہو پکارے گا آستین کا، پرتو جمہور، ریاض نسیم، پھول ان کی مسکانوں کے، روشنی کتنی ہے، چھڑ گئی ہو بات ان کی اور شفق رنگ آرزو شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کو ان میں بیشتر مجموعوں پر یوپی اردو اکادمی اور بہار کی طرف سے انعامات دیئے گئے۔ آپ کا کلام رسائل و جرائد کی زینت ہوتا ہے اور مختلف مشاعروں اور سمینار وغیرہ میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

نور جس کا وادیٔ سینا میں ہے
مہر و مہ کی جان ہے جس کا جمال

جس کا چرچا عالم بالا میں ہے
جس کی قدرت ہے کمال لا زوال

....

میں نے اس جلوہ کو دیکھا آپ میں
اے محمد، اے مکرم، اے کریم
خلق ہے شانِ معلیٰ آپ میں
ہے جمیل و پیکرِ حق اے رحیم

....

آپ کی تعریف ہو سکتی نہیں
آپ کی تعریف کوئی کیا کرے
آپ کی توصیف ہو سکتی نہیں
مجھ سے بے بس مجھ سے بے مقدور سے

....

آپ نے ادنیٰ کو اعلا کر دیا
اے رسول اللہ اے صل علا
آپ نے دل میں اجالا کر دیا
ہر طرف ہے آپ سے نور و ضیا

کالی داس گپتا رضاؔ:

محترم کالی داس گپتا رضاؔ کا تعلق مکندر پور ضلع جالندھر کے اگروال خاندان سے ہے۔ آپ کی تاریخ ولادت ۲۵ / اگست ۱۹۲۵ء ہے۔ آپ نے اردو اور فارسی میں پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل اور منشی فاضل کیا۔ انگریزی کیمرج یونیورسٹی کے سینئر سرٹیفیکیٹ تک پڑھی مگر رضا صاحب کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ بینک سے وابستہ ہیں۔ رضا صاحب کو شاعری کا شوق ۱۹۲۹ء سے ہوا۔ ۱۹۴۹ء میں مشرقی افریقہ چلے گئے ۱۹۷۰ء میں واپس آ گئے، اس کے بعد اردو تحقیق کا شوق ہوا۔ موصوف ماہر غالبیات ہیں اور ایک قیمتی ذاتی کتب خانہ کے مالک ہیں جس میں دس ہزار سے زائد کتب موجود ہیں۔ رضاؔ صاحب کا ذخیرۂ غالبیات دنیا میں سب سے بڑا غالبؔ کلکشن ہے۔ آپ نے حضرت جوشؔ ملسیانی سے فیض حاصل کیا۔ آپ کے شائع شدہ شاعری کے مجموعے شعلہ

خاموش، سوزش پنہاں، شاخ گل، اجالے، دی سائلینٹ فلم (انگریزی) شعور غم
وغیرہ ہیں۔ان کے علاوہ غالبؔ کے تعلق سے بہت سی کتابیں ہیں۔ بہت سی کتابیں
رسائل و جرائد اور اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین اردو غزلیات میں
جناب کالی داس گپتا کے فکروفن پر سہ ماہی 'تناظر' دہلی نے ضخیم رضا نمبر ۸۵ء میں شائع
ہندو پاک کے اہم ادیبوں نے ان کے علمی، تحقیقی اور شعری کارناموں کا تنقیدی
ڈاکٹر راہیؔ قریشی نے کرناٹک یونیورسٹی سے " کالیداس گپتا رضاؔ: حیات اور کارنا
لکھ کر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر تاراچندر رستوگی۔
کارناموں پر کتاب لکھی جو ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ایک کتاب ۱۹۸۰ء میں ظ
دے چکے ہیں۔افریقہ میں قائم کے دوران رضاؔ صاحب نے کافی نعتیں جن میں بڑ
کی وجہ سے ضائع ہوگئیں۔ جتنا بھی نعتیہ کلام محفوظ رہ سکا وہ آپ کے نعتیہ کلام کے
میں شامل ہے اس کتاب کے پیش لفظ کو آپ نے اس جملہ میں ختم کیا ہے۔

"تمنا ہے میرا یہ حقیر سا مجموعہ جس پر میرا دل نثار ہے۔قاری کیلئے باعث ت
دل وجان ہو جو رسالتماب سے اس گہری عقیدت ومحبت کا عکاس ہے۔"

آپکی نعتوں میں لہجہ کی تروتازگی اور زبان و بیان کی سادگی ونورانی کے ساتھ قلمی محسو

نمونۂ کلام:

ساقی میخانۂ احمد کی ہے کتنی اچھی — جام اچھے ہیں خم اچھے ہیں
جام و مینا سے نہیں ہم کو سروکار مگر — آپ کے نام پہ آجائے تو
واسطے آپ کے جھیلوں تو ستم بھی اچھا — عشق میں آپ کے آئے تو
کوئی مسلک ہی نہیں سیرت حضرت کے سوا — نیک، مقبول، خوش اسلوب

نعت کے بدلے رضا آج سنائی جو غزل   واقعی یہ تمہیں میلاد میں سوجھی اچھی

....

دوست اور دشمن پہ یکساں مہرباں تو ہی تو ہے   ریگزار میں جوے رواں تو ہی تو ہے
کیوں نہ ملتا ہم زمیں والوں کو منزل کا سراغ   آسماں پہ شاہراہ کہکشاں تو ہی تو ہے
بے قراروں کو ہے تیرا آسرا بعد خدا   روح دل تو ہی تو ہے تسکین جاں تو ہی تو ہے

....

ہر طور سے اس راز کو کھولا ہم نے   سو پلڑوں میں اس بات کو تولا ہم نے
تحریر وہیں پائیں محمدؐ کی صفات   جس گوشہ دل کو بھی ٹٹولا ہم نے

....

جو ہے اللہ کا بندہ وہ سب کا ہے ہمارا ہے   خدا کا جو نہیں ہوتا ہمارا ہو نہیں سکتا
خدا کی بارگاہ میں بے پیمبر کب رسائی ہے   محمدؐ سے بڑا کوئی سہارا ہو نہیں سکتا

ولادت رسول

زمیں پہ روشنی نہیں فلک پہ روشنی نہیں
سبب ضرور اس کا ہے کسی کو آگہی نہیں
محبتیں کہیں نہیں عداوتوں کا زور ہے
اذیتوں کا زور ہے ضلالتوں کا زور ہے
نہ غنچے میں چٹک رہی نہ پھول عطر بیز ہے
خزاں کے ظلم و جور سے چمن ہی نالہ ریز ہے

اجڑ چکی ہیں دوستی و آشتی کی محفلیں
معمہ بن کے رہ گئیں ہیں زندگی کی منزلیں
نہ غم کدوں کی ہے کمی نہ میکدوں کی ہے کمی
مصیبتیں ہزار ہیں مسرتوں کی ہے کمی
سب اپنے اپنے تنگدل قبیلوں میں بٹے ہوئے
ہیں سب کے دل عداوتوں کے زہر سے پھٹے ہوئے
کسی نے اٹھ کے لذتوں سے دامن اپنا بھر لیا
کسی نے تیر عشق سے جگر میں چھید کر لیا
تصور حیات پل گیا الم کی گود میں
ابد کی نیند سو گیا بشر عدم کی گود میں
ادب کی خامکاریاں نظر کی خامکاریاں
غرض شمار کیا کریں بشر کی خامکاریاں
زمانہ ہو گیا اسی ڈگر پہ کائنات ہے
اندھیری رات ہے یہاں، وہاں اندھیری رات ہے
مگر یہ آج کیا ہوا کہ ظلمتیں ہی چھٹ گئیں
بساط غم الٹ گئی مصیبتیں پلٹ گئیں
مگر یہ آج کیا ہوا سکوں سا دل کو مل گیا
کہاں گئیں رعونتیں کہاں غرور سو گیا

مگر یہ آج کیا ہوا، ہوا میں گدگدی سی ہے
سموم میں اثر نہیں فضا میں گدگدی سی ہے
مگر یہ آج کیا ہوا کہ سہل ہوگئی حیات
خرد کو راز مل گیا نظر نے کہہ دی دل کی بات
مگر یہ آج کیا ہوا طبیعتوں میں ڈر نہیں
کسی بھی کاروبار میں حسود کا گذر نہیں
مگر یہ آج کیا ہوا سرشت کائنات کو
کہ اوج بخشنے لگی تصور حیات کو
مگر یہ آج کیا ہوا کہ ضو سے زیست بھر گئی
ضیائے مہر زندگی ہر اک طرف بکھر گئی
یہ سب کو ایک جان سا بنا لیا گیا ہے کیوں
یہ سب کو ایک تار میں پرو دیا گیا ہے کیوں
مگر حیات میں یہ کیا قرار سا اتر گیا
چمن کا رنگ رنگیلی فضا میں کیسا بکھر گیا
شگفتہ ہے کلی کلی حسین پھول پھول ہے
یہ روزِ بے مثال ہے ولادت رسول ہے

رعنا بلسوی۔ جسونت رائے سکینہ:

قدیم شرافت و تہذیب کے علمبردار جسونت رائے سکینہ ۱۶؍اگست ۱۹۱۸ء کو سیتا پور میں پیدا

ہوئے جہاں ان کے جد امجد منشی کلیان رائے سکسینہ کوتوال تھے۔ منشی کلیان رائے عربی و فارسی کے جید عالم اور خوش فکر شاعر منشی تربینی سہائے ثمر کے چھوٹے بھائی تھے۔ رعنا بلسوی کے والد کا نام بسنت رائے سکسینہ تھا۔ محکمۂ عربوس میں ملازم تھے وہ بھی شاعر تھے اور مخمور تخلص کرتے تھے اور معروف شاعر سرور جہاں آبادی کے شاگرد تھے۔ رعنا صاحب نے ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ چھ سات سال کی عمر میں مقامی طور پر مکتبی تعلیم کا آغاز ہوا اور اردو فارسی زبانوں میں اچھا درک ہوگیا تو انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں چندوسی کالج سے انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں کامیابی حاصل کی اور یہیں سلسلہ ختم ہوگیا۔ ۱۹۳۸ء میں محکمۂ ریلوے میں بہ حیثیت اسٹیشن ماسٹر تقرر ہوا جہاں سے ۱۹۵۷ء میں سبکدوش ہوئے۔ رعنا صاحب نے ابتدا ہی میں تاج صدیق امروہوی تلمذ رسا رامپوری سے اصلاح بعد میں کہنہ مشق شاعر حضرت سیماب اکبر آبادی کے دامان تلمذ سے وابستہ ہوگئے۔ رعنا بلسوی کی شاعرانہ خصوصیات کے بارے میں ممتاز تذکرہ نگار عباسی نے لکھی ہے۔۔۔

> ”رعنا صاحب نہایت رسا ذہن والے اور حاضر طبیعت والے تیز گو خوش کلام شاعر تھے۔ جملہ اصناف شاعری پر طبع آزمائی کرتے تھے لیکن غزل اور رباعی ان کے محبوب اصناف تھے ان کے کلام میں زبان و بیان کی صفائی، متانت اور شائستگی، شیرینی و گھلاوٹ، لطیف احساسات و جذبات کی ترجمانی اور سرمستی و سرشاری کی خوبیاں موجود ہیں۔“

رعنا صاحب ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد کچھ دن بدایوں میں رہے اور پھر اپنے بیٹے کے پاس شوگر فیکٹری نوشیرہ ضلع بدایون چلے گئے اور آخر وقت وہیں رہے۔ ۱۰ ر فروری ۱۹۸۲ء کو انجمن شعر و سخن سے رخصت ہوئے۔ رعنا بلسوی کی ایک نعت 'معلومات اسلام' آگرہ میں شائع

ہوئی تھی جو جھانسی کے جلسۂ سیرت النبیؐ میں سنائی گئی تھی وہ حسب ذیل ہے۔

سلام نو باندازِ ادب محفل سے کہنا ہے
پیام موج جلسہ سطوت ساحل سے کہنا ہے

رہین ساز اعرابی ہے مری نغمہ پیرائی
حقیقت کسقدر ہے یہ مہہ کامل سے کہنا ہے

ہے رسم کعبہ اور قانون بتخانہ میں گنجائش
یہ سچی بات ہے رعنا وہی محفل سے کہنا ہے

یہ بزم خاص ہے ڈوبی ہوئی رنگ عقیدت میں
نہیں چلتی کسی مذہب کی پیری کچھ محبت میں

یہاں بیتاب ہو کر ساز سے نغمے نکلتے ہیں
جگر کے داغ سے اکثر چراغ کعبہ جلتے ہیں

کوئی پیغمبر عالی بڑی مدت میں ہوتا ہے
تصور آفرینش کا دل فطرت میں ہوتا ہے

مبارک ہے وہ امت درس آزادی جہاں ارزاں
عرب سے تا عجم جسکے غلامی نام سے لرزاں

محبت آئینہ جسکا حقیقت جسکی زیبائش
حلیمہ کے گلوں سے جسکے گیسو کی ہو آرائش

جبین غیر بھی جھکنے کو اس کا آستاں ڈھونڈے
چراغ ماہ لیکر جسکو برسوں آسماں ڈھونڈے

وہ ہستی جو بہ رنگ ذرہ پامال محبت ہو
گلوں سے خون جب ٹپکے تو دل میں دردامت ہو

حرا کی وادیٔ بے رنگ جو شاداب کر جائے
شراب معرفت سے قوم کا پیمانہ بھر جائے

طلوع صبح سے پہلے دکھا دے راہ منزل کو
بیاض شوق سے جو محو کر دے حرف مشکل کو

چراغ زندگی جس کا فروغ شام مستقبل
زبان خشک دے جائے جو پیغام مستقبل

خوشا قسمت اگر ہر قوم ایسا نا خدا پائے
جو محشر میں چلا آئے در فردوس کھل جائے

جناب پاک میں جس کی محبت پھول برسائے
اذانِ کعبہ سننے کو جہاں بتخانہ خود آئے

رونق دہلوی۔ پیارے لال:

جناب پیارے لال رونق کائستھ ماتھر تھے۔ آپکے والد کا اسم گرامی جے نارائن ہے۔ روشن پورہ دہلی کے رہنے والے ہیں۔ اپنی پہلی غزل مرزا داغ دہلوی کے پاس اصلاح کے لیے بھیجی جس

کے جواب میں حضرت داغ نے لکھا ہے کہ: ''دہلی میں مولانا عبدالرحمٰن راسخ کو اپنا کلام دکھالیا کرو''۔ اسی مشورہ پر عمل کرتے ہوئے آپ نے مولانا راسخ کی شاگردی اختیار کرلی اور وفا شعاری کے ذریعہ اپنے استاد کے قابل اعتماد تلامذہ میں اہم مقام حاصل کرلیا۔ جناب رونق دہلوی اس مشاعرہ کا اہتمام بھی پوری دلچسپی کے ساتھ کرتے تھے جو کنور بدری پرشاد فروغ کے مکان پہ ہوتا تھا۔ مولانا امداد صابری نے پیارے لال رونق دہلوی کی ذاتی زندگی اور شعری خصوصیات پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

> ''آپ محنتی، جفاکش، خلیق اور بامروت انسان تھے۔ باہر سے جو شعراء دہلی آئے وہ ان کے حسن اخلاق کی تعریف کرتے تجارت کی طرف مائل تھے۔ ظروف کا کاروبار کرتے تھے۔ اور ذہین اور زود گو تھے۔''

جناب رونق دہلوی نے دو دیوان مرتب کئے تھے جن ایک 'رونق سخن' ۱۹۱۵ء میں طبع ہوگیا تھا۔ آپ کے شاگردوں میں منشی قیصر شیدا اور فروغ ہم مشق تھے۔

نمونۂ کلام:

تم وہ ہو حق نے بنایا جسکو شاہ انبیاء
تم وہ ہو بالا ہے سب نبیوں میں جنکا مرتبہ

تم وہ ہو جن کو شرف معراج کا حاصل ہوا
تم وہ ہو عرش بریں زینہ ہے جنکے نام کا

برج شرف ہو آسمان معرفت
منکشف تم سے ہوا راز نہان معرفت

تم وہ ہو جنکے سبب توقیر ہے اسلام کی
جلوۂ شان احد تصویر ہے اسلام کی

ہر طرف پھیلی ہوئی تنویر ہے اسلام کی
تم سے ہی چمکی ہوئی تقدیر ہے اسلام کی

تم نے احکامِ شریعت کا دکھا کر آئینہ
ہر دل تاریک میں اک نور پیدا کردیا

ہادیٔ دین متیں ہو تم محمد مصطفیٰ
باعث صد فخر ملت رہنما و پیشوا

لکھ دیا حق نے حق میں لو لاک لما ۔۔۔ تم نہ ہوتے تو نہ بنتے کبھی ارض وسماں
تم سے قائم ہے جہاں میں یہ جہانِ بیکراں ۔۔۔ اس سے نام کو بھی کچھ نہ تھا نام ونشاں
تم وہ ہو چرخ رسالت کے درخشاں آفتاب ۔۔۔ نور عالم تاب کا جس کے نہیں کوئی جواب
دیکھکر بزم جہاں میں رنگ حسن انتخاب ۔۔۔ شرم سے خورشید محشر ہے لئے منہ پر نقاب
تم وہ ہو ظلمت مٹادی دم میں کفر شرک کی ۔۔۔ مشعل توحید کی سب کو دکھا کر روشنی
حق تو یہ حق پرستی کا بتا کر راستہ ۔۔۔ کردیا باطل پرستان جہاں کو حق نما
ذات اقدس ہے تمہاری مظہر صدق وصفا ۔۔۔ بن گئے نا آشنا بھی راز وحدت آشنا
تھا وجود پاک تلقین ریاضت کیلیے ۔۔۔ تم یہاں آئے تھے امت کی شفاعت کیلیے
ہو سکے وصف حمیدہ کا تمہارے کیا بیاں ۔۔۔ کھل نہیں سکتی پئے توصیف رونق کی زباں
خوبیِ ذات مقدس ہے زمانے پر عیاں ۔۔۔ ہیں فدا سب آپکی شانِ رسالت پر یہاں
تم شۂ ہر دوسرا ہو یا حبیب کبریا ۔۔۔ تم سا پیدا ہی نبی کوئی نہ ہوگا دوسرا

روی پرکاش بھاردواج:

پنڈت سیتہ نارائن بھاردواج کے صاحبزادے جناب روی پرکاش بھاردواج ۲۰ راگست کو گوڑ گاؤں میں پیدا ہوئے۔آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک پاس کیا اور مختلف تجارتی اداروں میں خدمات انجام دیں موصوف کو کنور مہندر سنگھ بیدی سحر سے شرف تلمذ حاصل تھا آپ کا مجموعہ کلام 'روی کی کرنیں' ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا اور ۱۶ رمئی ۱۹۷۱ء کو بھارت کے تاریخ شہر جودھپور میں 'جشن روی' منایا گیا۔ جناب روی پرکاش بھاردواج کے دوہوں کا مجموعہ روی کے گوہر پارے زیر کتابت ہے جس میں سات سو دوہے شامل ہیں۔ غزلیات کا مجموعہ، روی تجلیاں، قطعات کا مجموعہ اور غزلیات کا مکمل دیوان زیر ترتیب ہیں آپ بزم چکبست جودھپور اور اردو لیٹریچری کلب گوڑ گاؤں کے بانی بھی ہیں۔آپ نے اردو ادب کی خدمت کے لیے خود کو وقف کر رکھا ہے۔

نمونۂ کلام:

توڑ کر سنسار کے رشتے زمانہ چھوڑ کر
آگیا ہوں آپ کے سائے میں دنیا چھوڑ کر

آگیا ہوں آپ کی چوکھٹ پہ سجدے کیلئے
سوئے جنت بھی نہ جاؤں گا یہ سجدہ چھوڑ کر

آپ کے جلوے میں ہی سارے جہاں کی نعمتیں
کون سے جلوے کو دیکھوں میں یہ جلوہ چھوڑ کر

ہر نفس نغمہ سرا ہے یا محمدؐ یا نبیؐ
گنگناؤں کون سا نغمہ یہ نغمہ چھوڑ کر

گرتے پڑتے آ ہی پہنچا ہوں مدینے تک روؔی
میں نہ جاؤں گا کہیں بھی اب مدینہ چھوڑ کر

....

آپ کی صورت کے آگے آئینہ ہے شرمسار
کیوں نہ ہو پھر آپ کی صورت پہ انسانوں کو پیار

میں گناہوں کی تلافی کے لیے اے مصطفیٰ
کر رہا ہوں آپ کی قدموں میں اپنی جاں نثار

ماسوائے آپ کی رحمت کے دنیا میں اور
کوئی ہمدم ہے نہ ساتھ ہے نہ کوئی غمگسار

گا رہا ہے دل محمدؐ کے ترانے صبح و شام
وہ ترانہ جس ترانے کا نہ پایا کوئی ساز

کاش یہ توفیق دیں حضرت محمدؐ اے روؔی
نعت روزانہ لکھوں میں اور گاؤں بار بار

روِیندر جین:

روِیند جین صاحب بمبئی میں مقیم ہیں۔ دونوں آنکھ سے نابینا ہیں۔ موسیقی سے بے حد لگاؤ رکھتے ہیں۔ فلمی دنیا میں نغمہ سرائی کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ آواز بھی خوب پائی ہے اور بڑے والہانہ انداز سے اپنا کلام سنا کر محفل کو مسحور کر دیتے ہیں۔ نعت گوئی سے کافی رغبت رکھتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

آپ کی شان عجب شان رسول اکرم
آپ اللہ کے مہمان رسول اکرم

روز اول کے ہیں عنوان رسول اکرم
اور محشر کے ہیں سلطان رسول اکرم

آپ تکمیل مساوات و امین صادق — آپ ہیں افضل الانسان رسول اکرم
آپ کے ماننے والوں میں ضروری تو نہیں — صرف شامل ہو مسلمان رسول اکرم
آپ ہی کے بدولت ہے میسر ہم کو — وہ جسے کہتے ہیں قرآن رسول اکرم
آپ اکرام میں اکرام عطائے اول — آپ احسان میں احسان رسول اکرم

آپ کا ذکر ہے وہ ذکر جس کو سن کر
پختہ ہو جاتا ہے ایمان رسول اکرم

زارؔ دہلوی۔ پنڈت تر بھوناتھ زتشی:

پنڈت تر بھوناتھ زتشی کشمیری پنڈت پر تھ ناتھ کشمیری دہلی کے باشندے تھے۔ آپ کا سال پیدائش ۱۸۷۱ء ہے۔ حضرت داغؔ دہلوی سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ انگریزی اور فارسی زبانوں پر عبور تھا۔ پروفیسر کی حیثیت سے شعبۂ تعلیم سے وابستہ رہے۔ پنڈت رتن موہن ناتھ خارؔ دہلوی آپ کی یادگار ہیں۔ ۶/ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

نمونۂ کلام:

ہوئی خود حقیقت مختفی تھی چلی لباس مجاز میں — نظر آئی جس کی ضیائے جسد قریش حجاز میں
ہوا رونما جلوہ ترا جو احد سرائے طراز میں — تو چھپائے احد پاک کے نہ چھپا ہے وہ میم دراز میں
وہی ذات بابرکات تھی بخدا سکون حیات — وہ ربوبیت کی شمولیت تھی ادائے حکم طراز میں
وہی مصطفےٰ وہی مجتبیٰ وہی مبتدا وہی منتہا — وہی سوز میں وہی ساز وہی ترک وہی تاز میں
یہ برتری دم بہتری، سر مہتری دل سروری — تھی شکوہ ابن سبکتگین کی اس انکسار نیاز میں
یہ وکالتیں یہ کفالتیں یہ شفاعتیں یہ سعادتیں — ہیں روایتیں انہیں جو فقط ہیں رسول پاک کی آز میں
وہ تھا جس طرح کا حقیقتاً کوئی سمجھا اس کو من وعن — کہ اسیر کم نگہی تھے سب ہی طلسم شعبدہ باز میں
وہی عین حق وہی حق حق وہ ہمہ وباہمہ بے ہمہ — کہیں صاف صاف نہ زند کیوں نہیں قید منع جواز میں

ہوئے خار مسلم منتشر ہوئے زار مومن منتظر
ہیں امیدوار کہ پائیں بار حضور بندہ نواز میں

ساحر دہلوی۔ پنڈت امرناتھ:

پنڈت امرناتھ خلف رائے بہادر جانکی ناتھ من رئیس بریلی، ولادت ۲۹/ مارچ ۱۸۶۳ء بمقام رائے بریلی۔ آپ کو پرشاد رام ازداں سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ فارسی کلام عبدالحلیم قاسم کاشانی کو دکھاتے تھے۔ بہت سی کتب کے مترجم، مولف اور مصنف ہوئے ہیں۔ ۱۱/ ستمبر ۱۹۴۲ء میں دہلی میں دار فانی سے رخصت ہوئے۔

نمونۂ کلام:

نور قدم عجب تیری شانِ جلال ہے
آئینہ دار کیف و کم اہل و عال ہے

زلف حدوث نو زینت روئے جلال ہے
خورشید و ماہ کسوت حسن و جمال ہے

کونین جلوہ گاہ تری بے مثال ہے
رنگ شہود زیب جمال و کمال ہے

دور زمانہ صورتِ ماضی و حال ہے
وہ بعد انفعال یہ قرب وصال ہے

عالم ظہور حسنِ خیال و مثال ہے
آدم نمود سبط کلک کمال ہے

زیبائے روشنانِ فلک کا لباس نور
تارے لباس حسن ملائک پہ دال ہے

انسان مشت خاک سے پیدا ہوا ولے
تیرے کرم سے عشق کی زندہ مثال ہے

مخلوق پر شرف اسے حاصل ازل سے ہے
وہ صاحب جلال و جمال و کمال ہے

ہے خلقت بشر میں یہ راز خفی مرا
کوئی نبی کوئی ولی حسب حال ہے

حاصل جنھیں نبوت و قربت ہے ان میں ایک
تیرا حبیب ہے کہ وہ گودڑی کا لال ہے

ساحرؔ خموش وہ سر خفی بر ملا نہ ہو
طول سخن مناظرۂ قیل و قال ہے

ساحرؔ ہوشیار پوری۔ اوم پرکاش:

ساحرؔ ہوشیار پور کے ایک علمی خاندان کے فرد جناب لکھی رام اوہری کا شمار اپنے دور کے معتبر شخصیت میں ہوتا تھا۔ انھیں کے گھر ۱۰ر فروری ۱۹۳۱ء کو ادبی دنیا کی ایک اہم شخصیت اوم پرکاش نے جنم لیا جو ساحرؔ ہوشیار پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ہوشیار پور اور لاہور میں حاصل کی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے کانپور میں سکونت اختیار کی اور اپنی تجارتی مصروفیات کے ساتھ شعر وشاعری کو بھی جاری رکھا۔ یہ ذوق زمانۂ طالب علمی سے ہی تھا۔ آپ نے کانپور سے ایک ماہنامہ 'چندن' جاری کیا جسے مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ نے ہوشیار پور سے ماہنامہ ''کیلاش'' اور ۱۹۵۰ء میں قیام دہلی کے دوران ''ماہ نو'' بھی جاری کیا۔ جناب ساحر ہوشیار پوری کا تعلق دبستان داغ سے ہے۔ حضرت جوشؔ ملسیانی کے ارشد تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اپنے وطن کے بہت سی انجمنوں کے بانی اور سرپرست رہے۔ قومی اور ریاستی سرکاروں اور غیر سرکاری ادبی تنظیموں کے آپ روحِ رواں رہے۔ ٹی وی، ریڈیو اور ابلاغ عامہ کے دوسرے ذرائع سے آپ کے انٹرویو قارئین ادب تک پہنچے۔ متعدد اعزازات وانعامات کے علاوہ موصوف کو ممتاز شعراء کا خطاب بھی مل چکا ہے، پدم شری علی جواد زیدی نے جناب ساحر ہوشیار پوری کے بارے میں اپنے علمی تاثرات اس طرح پیش کیا ہے:

''گذشتہ پانچ دہائیوں میں ساحرؔ صاحب کے ذوق شعری نے بلندیوں کا سفر طے کیا ہے اور ہمیں اچھے ادب پارے دیئے ہیں۔ ساحرؔ ان چند ہستیوں میں ہیں جو غزل کے روایتی عناصر کو جدید ترین رجحانات میں خوبصورتی سے سمو کر ہمیں حسین تازگی اور دلآویز نغمگی سے روشناس کرا چکے ہیں۔ انھیں فن اور زبان پر قدرت حاصل تھی اور وہ غزل کے سچے مزاج داں تھے۔''

آپ کی کئی تصنیفات ہیں۔ آپ ۱۲ر اگست ۱۹۹۴ء کو رخصت ہوئے۔

نمونۂ کلام:

ہے زمانہ بھر میں شہرہ اب مرے اشعار کا
ذکر ہے ان میں جناب احمد مختار کا

جسم خاکی میں یہاں اک محرم تنویر ہے
ہے مرے دل میں تصور احمد مختار کا

اک زمانہ تک رہا ہے مجھ کو کس تعظیم سے
ہے مری آنکھوں میں جلوہ سید ابرار کا

قاتلوں نے بھی جھکایا آپ کے قدموں پہ سر
یہ بھی تھا اک معجزہ اخلاق کی تلوار کا

دولت دنیا کی اس زر دار کو خواہش نہیں
مل گیا جس کو خزانہ آپ کے دیدار کا

....

تیرے نام سے ابتدا ہو رہی ہے
تیری یاد پر انتہا ہو رہی ہے

زبان پاک، مسرور دل آنکھ روشن
جمال نبیؐ کی ثنا ہو رہی ہے

فدا ہو رہا ہے خدا خود نبیؐ پر
نبیؐ پر خدائی فدا ہو رہی ہے

حسین جہاں آستانِ محمدؐ
عقیدت کی یہ انتہا ہو رہی ہے

مرا سر ہے پائے پیمبر پہ ساحر
نماز ارادت ادا ہو رہی ہے

....

سارا عالم ہے منور آپ کے انوار سے
سارا عالم آئینہ ہے آپ کے انوار کا

خواہش دیدار خود اللہ کو پیدا ہوئی
ہے شب معراج ثمرہ آپ کے دیدار کا

ہے فرشتوں کو تمنا اس کی دربانی کریں
کس قدر اونچا ہے رتبہ آپ کے دربار کا

معجزہ سے کم نہیں یہ بھی ساحر ہے غلام
اپنے آقا، اپنے مولیٰ، احمد مختار کا

جام صہبائے حقیقت پی کے پھر مستانہ بن
تو محمد مصطفےٰ کی یاد میں دیوانہ بن

جذب کرلے دل میں اتنی مے کہ بس پیمانہ بن
عشق اتنا ہو کہ پیمانہ سے خود میخانہ بن

نور وحدت، پیکر تنویر عرفان ہے وہی ہے حقیقت کوش تو اس شمع کا پروانہ بن
اس شہ کونین کی الفت میں خود کو بھول جا گر اسے دیوانگی کہتے ہیں تو دیوانہ بن
عشقِ احمد میں فنا ہو جا عبادت ہے یہی عشق کرنا ہے حقیقت میں تو خود افسانہ بن
روضۂ انور پر ساحرؔ سرنگوں ہو اس طرح خود فنا ہو کر مجسم سجدۂ شکرانہ بن

ساقی منشی شنکر لال:

جناب خوب چند کے صاحبزادے اور منشی ہر گوپال سہائے تفتہ کے چچازاد بھائی منشی شنکر لال ساقی ۱۰ر دسمبر ۱۸۲۰ء کو سکندر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ قوم کے کائستھ تھے۔ سہارنپور کی ایک عدالت میں پیشکاری کی خدمت پر مامور تھے۔ منشی بال مکند بے صبر کو اپنا کلام دکھاتے تھے لیکن زبان فیضیؔ، غالبؔ اور تفتہؔ سے پایا۔ آپ نے اپنے دور کے ممتاز شعراء غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ اور بہادر شاہ ظفر وغیرہ کے ساتھ مشاعرے پڑھے ساقیؔ کی دو کتابیں ایک کریما، شیخ سعدی کا ترجمہ نظم میں اور دوسری 'انتخاب کلیات' شائع ہو چکی ہیں۔ اردو اور فارسی کے دو دیوان اور ایک رامائن غیر مطبوعہ ہیں۔ آپ نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں نعت کہی ہے۔ اردو میں نعتیہ شاعری کے مصنف نے آپ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں لکھا ہے۔

''ساقی کے کلام میں داخلی جذبات سے زیادہ عشق محمدی کے مضامین پائے جاتے ہیں۔''

رسول اکرم سے گہری عقیدت رکھنے والے منشی شنکر لال ساقی اپنی سترویں سالگرہ کے دن یعنی ۱۰ر دسمبر ۱۸۹۰ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

نمونۂ کلام:

جب مے عشق نبی سے مجھے مستی ہوگی بے خود ہوگی بلندی نہ پستی ہوگی
بزم عشاق میں جب بادہ پرستی ہوگی یاد میں ساقی کوثر ہی کی ہستی ہوگی

آپ کو دیکھا فلک بولے کہ ہاں یہ ہی تو ہیں
احمد مرسل شہ شاہنشاہاں یہ ہی تو ہیں

ہے نزول آیت لولاک جن کی شان میں
باعث ایجاد وہ جان جہاں یہ ہی تو ہیں

تھا شب معراج نبیوں کی زباں پر برملا
پیشوا وہ سرور پیغمبراں یہ ہی تو ہیں

کر کے سایہ حشر میں امت پہ فرمائینگے آپ
بخش دے یارب مرے وابستگاں یہ ہی تو ہیں

نام احمد پر فدا کیوں کر دل ساقی نہ ہو
مالکِ ارض و سما کون و مکاں یہ ہی تو ہیں

....

جلوہ گر تھا نور شاہ دو جہاں قندیل میں
حق نے نورانی بنایا تھا مکاں قندیل میں

آیت لولاک سے ظاہر تھی عظمت آپ کی
سب سے پہلے تھا یہی نور نہاں قندیل میں

آدم و حوا نبی و اولیا کا حال سب
آپ کو معلوم ہوتا تھا وہاں قندیل میں

جو اترتے تھے صحیفے حال ان کا من وعن
آپ پر اللہ کرتا تھا عیاں قندیل میں

مصلحت کچھ تھی خدا کی ورنہ یہ نور عظیم
یوں بھلا ساقی سمائے تھا کہاں قندیل میں

ساؔمی جبلپوری۔ منشی مہادیو پرشاد:

مہادیو پرشاد ساؔمی جبلپوری، جبل پور کے رہنے والے تھے۔ آپ کو سرور کائنات سے مثالی محبت تھی۔ ۸؍فروری ۱۹۲۷ء کو بوقت مغرب ایک روشن ستارہ ٹوٹا، ٹوٹے ہوئے ستارے نے حضور ﷺ کا نام نامی 'محمد' صفحۂ فلک پر منکشف کیا اس نورانی منظر کو مختلف شعراء نے مختلف انداز میں اشعار کا سہارا لے کر بیان کیا ہے۔ ساؔمی نے بھی اس سلسلے میں نعتیں کہی ہیں۔ پہلی نظم میں ۱۴۲ ابیات ہیں اور عنوان 'جذباتِ ساؔمی' ہے۔ دوسری نظم 'سرور کائنات' کے عنوان سے ہے اس میں ۲۶؍اشعار ہیں۔ دو رباعیات اور دو نعتیں فارسی میں بھی ہیں جو اس واقعہ سے متاثر ہو کر کہی گئی ہیں۔ یہ اشعار اس لیے بھی اہم اور وقیع ہیں کہ اس میں مقامی اور عوامی رنگ بہت چوکھا ہے۔

نمونہ کلام:

عرش بریں پہ آج دمکتا وہ نور ہے — جس سے فروغ شمع سر کوہ طور ہے
تارے سے نام نامی حضرت عیاں ہوا — یہ معجزہ حضور کرامت ظہور ہے
یہ آنکھیں اور اس کا نظارہ زہے نصیب — دربار انبیا میں جو صدر الصدور ہے
ہاں کیوں نہ ہو یہ نور ہے اس شاہ کا کہ جو — محبوب حق ہے شافع یوم النشور ہے
سلطانِ دیں کہ جسکے غلاموں کے واسطے — سب انتظام جنت و حور و قصور ہے
جنت کی سمت رُخ نہ کروں آپ کے بغیر — حضرت کا ہوں گدا تو طبیعت غیور ہے
ممکن ہے مدح کس سے پھر اس ذات پاک کی — مدحت طراز جس کا خدائے غفور ہے

سحؔر۔ کنور مہندر سنگھ بیدی:

سکھ دھرم کے بانی گرونانک کی سترہ ویں پشت کے مشہور شاعر حضرت کنور مہندر سنگھ بیدی تھے۔ آپ بابا ہردت سنگھ بیدی کی یادگار تھے۔ پاکستان کے شہر ساہیوال سابقہ منٹگمری میں ۹/مارچ ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں گورنمنٹ کالج سے تاریخ اور فارسی میں بی۔اے۔ کی سند حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۴ء میں سرکاری ملازمت میں آئے۔ ۱۹۴۷ء میں دلّی کے سٹی مجسٹریٹ تھے۔ بیدی صاحب کئی شہروں میں ڈپٹی کمشنر بھی رہے۔ ۱۹۶۷ء میں اپنے فرائض سے سبکدوش ہوئے۔ محترم کنور مہندر سنگھ بیدی سحؔر صاحب عصر حاضر کے ایک اہم شاعر ہی نہیں اہم شخصیت بھی تھے۔ اپنی اعلیٰ انسانی صفات کے حوالے سے تمام طبقوں میں ہر دل عزیز رہے۔ حضرت جوشؔ ملیح آبادی نے اپنی نظم 'دعوت نظر' کے آخری شعر میں کنور صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

اگر نظارہ خیر مجسم کی تمنا ہے — مہندر سنگھ کو اے ناظران دیدہ ور دیکھو

انہی حضرت بیدی سحر کی حسین و جمیل شخصیت سے متاثر ہو کر دور بھ کے معروف و مقبول شاعر

ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خان منشاؔ نے ان کے لیے ایک تعزیتی نظم اس طرح کہی ہے:

بیدی سحر کی موت

انسان خوش صفات کی یا خوش ہنر کی موت
اک حادثہ سے کم نہیں اچھے بشر کی موت
ہر دل پہ حشر ڈھائی ہے صاحب نظر کی موت

جو خوش مزاج و خوش طبع و خوش خصال تھا
جس کا خلوص اپنی جگہ بے مثال تھا
ہر فن میں ہر ہنر میں جو صاحب کمال تھا
برسوں لہو رلائے گی اس با ہنر کی موت

وہ شخص دل پسند تھا ہر خاص و عام کا
سارا زمانہ شیدا تھا جس کے کلام کا
ہر انجمن میں ذکر ہے جس نیک نام کا
اندوہ ناک کیوں نہ ہو اس نامور کی موت

جس کا شعار خاص تھا انسان دوستی
جس کو سدا عزیز رہی صلح و آشتی
بھر پور جس کے دل میں تھی الفت کی روشنی
اندھیر کر گئی اسی رشک قمر کی موت

ہیہات ایک نازشِ دوراں چلا گیا
انسانیت کے درد کا درماں چلا گیا
ناموس علم و فن کا نگہباں چلا گیا
دراصل اس کی موت ہے اک دیدہ ور کی موت

تہذیب کا وہ پیکر جوہر شناس تھا
ہر دم اسے وقار محبت کا پاس تھا
کردار کا دھنی گرو نانک کا داس تھا
ہے اس کی موت مردِ کشادہ نظر کی موت

وہ ایک گل تھا باعثِ رنگینی چمن
تھا لاجواب اس کا جنوں خیز بانکپن
وہ تا حیات خدمتِ اردو میں تھا مگن
اے اردو رو رہی ہے ترے چارہ گر کی موت

سحر صاحب کو مذہب سے گہرا لگاؤ تھا۔ انھوں نے انتہائی عقیدت سے نعتیں کہی ہیں۔ ان کا یہ شعر بہت مقبول ہوا ہے:

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

بقول حضرت رئیس امروہوی:

"وہ اپنے جدِ امجد بزرگ بابا گرونانک جی کی طرح ہمہ اوست کے ترجمان، ہمہ از اوست کے رازدان، وحدۃ الوجود کے مسلک پر عامل اور ہر مذہب و ملت کے محب و محبوب تھے۔"

کنور صاحب کا پہلا مجموعۂ کلام 'طلوع سحر' ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ 'یادوں کا جشن' آپکی ساڑھے

چار سو صفحات پر مشتمل خود نوشت ہے جو ۱۹۸۱ء میں منظر عام پر آئی۔ ۱۹۸۶ء میں جناب کے۔ ایل۔ نارنگ ساقی نے 'ہمارے کنور صاحب' ترتیب دی جو جشن کنور مہندر سنگھ بیدی کے موقع پر دہلی سے شائع ہوئی۔ ۲۸۸ صفحات کی اس کتاب میں برصغیر کے ممتاز ناقدین ادب کے مضامین شامل ہیں۔

نمونہ کلام:

فزوں ہوا شوق کا تقاضہ تڑپ رہی ہر ایک تمنا چلو مدینے چلو مدینے یہ دل سے آواز آ رہی ہے
شہ عرب کی عنایتوں کا سحر نہیں ہے کوئی ٹھکانہ مرے گناہوں کی بے پناہی ہزار مجھ کو ڈرا رہی ہے

سلام

تصور بے پناہی میں ہو یکتا تخیل ہو سراسر عرش پیما
صدائیں نکلیں نہ ساز تارِ جاں سے زمین شعر اترے آسماں سے
پھر اپنی روح سے کاغذ بناؤں قلم طوبیٰ کی شاخوں سے منگاؤں
مدد لوں قلب کی ضو پاشیوں سے سجاؤں نو بہ نو نقاشیوں سے
وفور شوق میں پھر والہانہ کروں عرض سلام عاشقانہ
سلام اے رہبر عالم پنا ہے بہ دنیا و بہ عقبیٰ بادشا ہے
سلام اے مظہر انوار ایزد سلام اے خلقت عالم کے مقصد
سلام اے ناخدائے کشتیِ دیں سلام اے عشق را قانون و آئین
سلام اے رہبر گم کردہ راہاں سلام اے ماحی عیب و گناہاں
سلام اے مغفرت کی مے کے ساقی سلام اے جلوۂ انوار باقی
سلام اے دل کے اندر بسنے والے سلام اے سب حسینوں سے نرالے
سلام اے درد پیدا کرنے والے سلام اے سب کو اپنا کرنے والے

سلام اے مونس اپنے غم زدوں کے
سلام اے مالک اچھوں کے بروں کے
سلام اے جنت طیبہ کے باشی
سلام اے غمزدۂ صد جلوہ پاشی
سلام اے صاحب جود و عطایا
سلام اے سب کے مولا سب کے آقا
سلام اے کہنے والے فقر فخری
سلام اے بیکسوں کے یارو حامی
ملے اذن قبولیت کے مولا
یہ نذرانہ ہے اک عاجز سحرؔ کا

....

یہ سینہ اور یہ دل دوسرا معلوم ہوتا ہے
کوئی پردے میں دل کے آچھپا معلوم ہوتا ہے
دل دیوانہ بہ وقت دعا معلوم ہوتا ہے
حریم ناز کا پردہ اٹھا معلوم ہوتا ہے
مدینے تک پہنچ جائے، پہنچ جائے تو مرجائے
یہی بیمارِ غم کا مدعیٰ معلوم ہوتا ہے
کوئی منزل ہو کوئی آستاں ہو کوئی محفل ہو
وہ نور سرمدی ہی جابجا معلوم ہوتا ہے
وفور درد احساسات افسردہ بتاؤں کیا
مجھے محسوس کیا ہوتا ہے کیا معلوم ہوتا ہے
سمٹ کر دو جہاں کی وسعتیں آئیں تخیل میں
وہ تصور سرور لولاک معلوم ہوتا ہے
سحرؔ کے لب باافراط ادب ہے تابِ جنبش میں
سنو صلی علیٰ صلی علیٰ معلوم ہوتا ہے

....

بلندی پہ اپنا نصیب آگیا ہے
در پاک مولا قریب آگیا ہے
زبان پر جو ذکر حبیب آگیا ہے
مرا وقت بخشش قریب آگیا ہے
در شاہ پہ خوش نصیب آگیا ہے
مقدر سے موقع عجیب آگیا ہے
یہ کہہ کہہ کے دل کو سنبھالا ہے میں نے
ٹھہر جا مدینہ قریب آگیا ہے
پھر آئے ہیں آنکھوں میں آنسو جو بیدم
خیال دیار حبیب آگیا ہے

دعا دیار مولا میں جس وقت مانگی — لبوں پہ مرے یا مجیب آگیا ہے
نکلنے کو ہیں دل کے ارماں سحرؔ بس — وہ دیکھو مدینہ قریب آگیا ہے

....

تکمیل معرفت ہے محبت رسول کی — ہے بندگی خدا کی اطاعت رسول کی
ہے مرتبہ حضور کا بالائے فہم و عقل — معلوم ہے خدا ہی کو عزت رسول کی
تسکینِ دل ہے سرورِ کون و مکاں کی یاد — سرمایۂ حیات ہے الفت رسول کی
انسانیت، محبت باہم، تمیز عقل — جو چیز ہے سب ہے عنایت رسول کی
اتنی ہی آرزو ہے بس اے ربِ دو جہاں — دل میں رہے سحرؔ کے محبت رسول کی

....

نعت خوانِ سرورِ کون و مکاں ہوتا ہوں میں — دیکھنا روح الامیں سے ہم زباں ہوتا ہوں میں
رات دن جس آستاں پر ہیں ملائک سجدہ ریز — بارہا اوج تخیل سے وہاں ہوتا ہوں میں
سرورِ کون و مکاں پر بھیجتا ہوں صد درود — اس طرح شیریں سخن رطب اللساں ہوتا ہوں میں
جب کبھی جاتے ہیں مل کر سوئے طیبہ خوش نصیب — کارواں کے ساتھ گردِ کارواں ہوتا ہوں میں
دل میں اٹھتی ہے جو یادِ ہادیِ اعظم سحرؔ — اپنے دل کے شوق سے داستاں ہوتا ہوں میں

....

پہنچ کر یثرب میں یا الٰہی نظر یہ کیا چیز آرہی ہے — میری نگاہوں میں آج کیسی حسین دنیا سما رہی ہے
فزوں ہوا شوق کا تقاضہ تڑپ رہی ہے ہر اک تمنا — چلو مدینے چلو مدینے یہ دل سے آواز آرہی ہے
نوازنے کے لیے وہ دیکھو کہ اپنے لاچار بے کسوں کو — کسی کی بخشش پکارتی ہے کسی کی رحمت بلا رہی ہے
تعلق جسم و جاں ہے جن سے قیام کون و مکاں ہے جن سے — انھیں کو میری نیاز مندی فسانۂ غم سنا رہی ہے

کرم ہے اس سنگ آستاں کا کہ آخر کار رفتہ رفتہ
رسائی سجدوں کی ہو رہی ہے جبین یہ عظمت بھی پا رہی ہے

شہ عرب کی عنایتوں کا سخاؔ نہیں ہے کوئی ٹھکانہ
مرے گناہوں کی بے پناہی ہزار مجھ کو ڈرا رہی ہے

سخاؔ میرٹھی۔ لکشمی نارائن سریواستو:

سخاؔ میرٹھی نارائن سریواستو میرٹھ کے ایک تعلیم یافتہ معزز کاشتکار سریواستو خاندان کے فرد منشی تربنی پرشاد کے گھر ۱۸۷۵ء کے قریب پیدا ہوئے۔ ان کے والد جے پور میں وکالت کرتے تھے وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی اور ساری عمر وہیں رہے۔ عربی زبان سے واقف تھے اردو فارسی میں مہارت رکھتے تھے اور بی اے کی سند حاصل کر چکے تھے۔ اس زمانے میں بی اے کی ڈگری اعلیٰ اہمیت رکھتی تھی لہٰذا ملازمت بڑی آسانی سے مل گئی۔ پہلے جے پور ریسی ڈنسی میں ہیڈ کلرک ہوئے اس کے بعد کلکٹر اور سٹی مجسٹریٹ وغیرہ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر خدمات انجام دیں اور وظیفہ یاب ہوئے۔ عمر کے آخری حصہ میں اپنے صاحبزادے کے پاس آگرہ میں رہے۔ شعر و سخن سے فطری لگاؤ رکھتے تھے۔ تمام اصناف شاعری میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ ادبی محفلوں میں نہ صرف شریک ہوتے تھے بلکہ اہتمام میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ نہایت خلیق و مشفق طبیعت کے حامل تھے۔ مرنجان مرنج طبیعت پائی تھی۔ بلا امتیاز مذہب و ملت ہر دلعزیز اور ہر شخص کے لیے قابل قبول اور واجب التعظیم تھے۔ سخاؔ میرٹھی نے نہایت خلوص دل کے ساتھ نعتیں کہی ہیں۔ ایک مجموعۂ کلام 'معراج محبت' کے نام سے ۱۹۷۰ء میں شائع کیا تھا اس میں مختصر فارسی کلام کے علاوہ پچاس نعتیں، منقبت، سلام، قصائد، قطعات و رباعیات، تاریخی قطعات، غزلیں اور نظمیں شامل ہیں۔ کلام میں پختگی، بلند پروازی، وسیع النظری، خوش فکری، سنجیدگی و متانت کے ساتھ ساتھ استعارانہ ترکیبیں پائی جاتی ہیں۔ محاوروں کا برمحل استعمال کرتے ہیں۔ نعت خوب کہتے ہیں اور بڑی عقیدت سے لکھتے تھے۔ زبان کی صفائی کا پورا خیال رکھتے تھے۔ الفاظ و اشعار میں فارسی ترکیبوں کی دل آویز

اور معانی میں کچھ مقدس محبت کی لذت بخش چاشنی پائی جاتی ہے۔

سخاؔ صاحب نعت گوئی کے لیے جب قلم اٹھاتے تو بڑی بے تکلفی، بے ساختگی دیانتداری اور ایمانداری سے اپنے محسوسات کو صفحۂ قرطاس پر لے آتے تھے۔

نمونہ کلام:

نہ ہوتا گر ثنا خواں خالق اکبر محمدؐ کا
تو ہوتا خلق پر رتبہ عیاں کیوں کر محمدؐ کا

یہی محبت ہے وحدت کی یہی محبت رسالت کی
ہدایت حق کی کرنا خلق میں آکر محمدؐ کا

محمدؐ کی بشارت دینے کو پیغمبری پائی
غرض ممنوں ہے ہر ایک پیغمبر محمدؐ کا

جبیں سائی کی حسرت جبہ سائی کے یہ ارماں ہیں
ہمارا سر ہو یارب اور سنگ در محمدؐ کا

لگی پھرنے بہار جنت فردوس آنکھوں میں
جو چاہا دل نے دیکھوں روضۂ انور محمدؐ کا

نظر میں اپنی یہ کثرت سر بسر نور وحدت ہے
نظر سے پوچھ لو احسان ہے جو ہم پر محمدؐ کا

یہاں سیراب زمزم سے کیا تشنہ کاموں کا
کرم تو دیکھنا چل کر لب کوثر محمدؐ کا

بس اوصاف حمیدہ کا خلاصہ اے سخاؔ یہ ہے
ہوا ہے کوئی اب تک اور نہ ہو ہمسر محمدؐ کا

....

کیا زمین پر یہ ہے اب عرش علا کی آمد
ایسی دیکھی ہی نہیں نور و ضیا کی آمد

چاند تاروں کے علاوہ ہے یہ تاباں کیا کیا
سوئے ارض آج ہے کیوں اہل سما کی آمد

یہ بہاریں گل تازہ کی اور اس پر ہر سو
بلبل مست نوا نغمہ سرا کی آمد

یہ خوش آئندہ نسیم سحری کے جھونکے
پے بہ پے چار طرف باد صبا کی آمد

اہل ظاہر کی بھی پڑنے لگی باطن پہ نظر
اور نظر آنے لگے صدق و صفا کی آمد

آمد احمد کی ہے اور شان یہی ہے وہ شان
جو نہیں رکھتی کسی راہنما کی آمد

پئے تعظیم اٹھو اب یہ ادب کا ہے محل
آگیا آج تھی جس شاہِ ہدا کی آمد

السلام اے شہ کونین زہے فضل خدا — آپ کی آمد اور اس دینِ خدا کی آمد

السلام اے شہ دیں کفر کو یہ نازش کفر — خوب ہے درد جو ہے ایسی دوا کی آمد

السلام اے سببِ فضل خدائے برحق — اے زہے عقدہ زہے عقدہ کشا کی آمد

السلام امت عاصی کو شفاعت والے — اے مبارک یہ ترے لب پہ دعا کی آمد

....

ترا مداح ہوں مجھ پر نظر یوں ہو تو بہتر ہے — اب اعدا پہ نبی مجھ کو ظفر یوں ہو تو بہتر ہے

سنا آئے عربی نعت اور مرا انعام لے آئے — صبا تیرا مدینے میں گذر یوں ہو تو بہتر ہے

مری پرسش خدا کے سامنے کیا جانے کیوں کر ہو — کہا "ہے نعت گو ہندو" اگر یوں ہو تو بہتر ہے

نبی کا بحر رحمت جوش سے خود آ ملے اس میں — مرا عشق رواں رشک گہر یوں ہو تو بہتر ہے

کلام حق ہو تفسیراً حدیث پاک توضیحاً — یہ بزم وصف احمد رات بھر یوں ہو تو بہتر ہے

یہ داغ عشق احمد اک سند کافی ہے محشر تک — ہماری طرح کوئی بے خطر یوں ہو تو بہتر ہے

کبھی ہو یاد کاکل اور کبھی یاد رخ احمد — بسر عشاق کی شام و سحر یوں ہو تو بہتر ہے

ادب سیکھو کرو ہر ہر قدم پہ شوق سے سجدے — حرم والو مدینے کا سفر یوں ہو تو بہتر ہے

ملیں یارب یہ سرد آہیں مدینے کی ہواؤں میں — ترے محبوب میری خبر یوں ہو تو بہتر ہے

خدا کی بندگی یہ ہے کہ اول عشق احمد ہو — خدا کا عشق کیا کہنا مگر یوں ہو تو بہتر ہے

یہ وہ ہے مر گیا جو روتے روتے ہجر احمد میں — یہ مری قبر پر تم نوحہ گر یوں ہو تو بہتر ہے

محمدؐ نور ایماں ہیں انھیں دل میں جگہ دیجے — سخاؔ ایمان دل میں جلوہ گر یوں ہو تو بہتر ہے

....

نہیں ممکن سوا اس کے بیاں کچھ شوق بے حد کا — سخاؔ کس کا محمدؐ کا خدا۔ کس کا محمدؐ کا

ثنائے عشق احمد نے سخا کی آبرو رکھ لی
ہوا کیا حال ورنہ دیکھ لو منصور و سرمد کا

مداح خاص ہوں اس شاہ دوسرا کا
جو کن کی حقیقت ممدوح خود خدا کا

کافر ہے مومنوں میں، مومن ہے کافروں میں
عشق نبی میں یارب کیا حال ہے سخا کا

......

رونق بزم جہاں ہیں صاف انوار رسول
چشم بینا چاہیے بر جا ہے دیدارِ رسول

قول پورا کر الٰہی راحتِ دارین کا
ایک کیا سو بار کرتا ہوں اقرار رسول

....

ہم نے جز وصف محمد کیا کیا کچھ بھی نہیں
ہم نے جز عشق محمد کیا کیا کچھ بھی نہیں

....

تم ہی کو لاج رکھنی ہے سخا کی مدح خوانی کی
کہ ہوگا حشر میں عشق آشکارا یا رسول اللہ

....

دو چار اشک یاد نبی میں بہیں ضرور
ہے لازمی یہ ورد دعائے سحر کے ساتھ

نظر اٹھائی ذرا اور خدا کو دیکھ لیا
نظر جھکائی ذرا مصطفیٰ کو دیکھ لیا

....

زمیں پر ان کی آمد کی یہ جتنی دھوم ہے کم ہے
فلک پر غلغلہ ہے آج تک دم بھر کی آمد کا

کرم دیکھو خدا کا کس طرح محفوظ رکھا ہے
برائے آفتابِ حشر سایہ اس سہی قد کا

....

سخا پھر کوئی نعت لکھ کر تو دیکھ
یہ تدبیر ہے گر تم اندوہ گیں ہو

سروؔر جہاں آبادی۔ درگا سہائے:

جناب درگا سہائے شعری دنیا میں سرور جہاں آبادی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد جناب حکیم پیارے لال ہیں جو کائستھ تھے اور ایک باوضع، علم دوست شخصیت کے حامل تھے۔ سروؔر کے بزرگوں نے عہد شاہجہانی میں دلّی سے منتقل ہو کر جہاں آباد میں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۸۷۳ء میں سروؔر جہاں آبادی کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کے زیر سایہ پائی۔ پہلے وحشت تخلص کیا لیکن پھر سروؔر ہو گئے۔ ابتدا میں جناب کرامت حسین بہاؔر بریلوی سے مشورہ سخن کیا ان کے انتقال کے بعد حضرت بیاں یزدانی کی شاگردی اختیار کی۔ جناب سرور کو فن پر مکمل عبور حاصل تھا۔ وہ ایک قادر الکلام نظم گو کی حیثیت سے منفرد نظر آتے ہیں۔ انھوں نے مختلف زبانوں کی منظومات کا بغور مطالعہ کیا۔ ان کا ایک تہائی کلام انگریزی نظموں کا ترجمہ ہے۔ انھوں نے مشہور انگریزی نظموں کو اردو کا پیرہن دے کر اہل ذوق سے خراج تحسین حاصل کیا۔ سروؔر جہاں آبادی بلند مرتبہ شاعر ہونے کے ساتھ زود گو بھی تھے۔ ان کا کلام اقبالؔ کی شاعری سے متاثر نظر آتا ہے۔ غالبؔ کا اثر ان کی غزلوں سے ظاہر ہے۔ اقبالؔ کا رنگ نسبتاً غالبؔ سے زیادہ گہرا ہے جو ان کی ملکی، قومی اور سیاسی نظموں سے نمایاں ہوتا ہے۔ جناب سروؔر نے ۲۰ / دسمبر ۱۹۱۰ء کو جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ انتقال کے دو سال بعد ان کے دو شعری مجموعے 'خمخانۂ سرور' اور 'جامِ سرور' طبع ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں 'خمخانۂ سرور' منظر عام پر آیا جس پر نیاز فتحپوری نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "سروؔر جہاں آبادی ان شعراء میں سے تھے جنھوں نے موجودہ دورِ شاعری کی طرح ڈالنے میں حصّہ لیا اور جن کی خدمات کو اردو زبان کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ سرور کے کلام کی مستی ایک ایسی چیز ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گی۔"

مولانا حسرؔت موہانی فرماتے ہیں:

"قلیل مدت عمر میں وہ جو کچھ لکھ گئے ہیں بقائے دوام کی سند حاصل کرنے کے لیے کافی ہے۔"

آنجہانی سرور جہاں آبادی نے مخمس کی صورت میں اپنے استاد حضرت بیان میرٹھی کی ایک مشہور نعت کی تضمین کی ہے جو بے حد مقبول ہے اور جس میں ان کے طرز کلام کی خصوصیات موجود ہیں:

نمونۂ کلام:

دل بے تاب سینے سے لگالے آجا — کہ سنبھلتا نہیں کم بخت سنبھالے آجا
پاؤں ہیں طولِ شبِ غم نے نکالے آجا — خواب میں زلف کو مکھڑے سے لگالے آجا
بے نقاب آج تو اے گیسوؤں والے آجا

نہیں خورشید کو ملتا ترے سائے کا پتہ — کہ بنا نور ازل سے ہے سراپا تیرا
اللہ اللہ ترے چاند سے مکھڑے کی ضیا — کون ہے ماہ عرب کون ہے محبوبِ خدا
اے دو عالم کے حسینوں سے نرالے آجا

دل ہی دل میرے ارمان کھلے جاتے ہیں — خاک میں مل کے درِ اشک ملے جاتے ہیں
تیری رسوائی پہ کم بخت تلے جاتے ہیں — ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

وائے دماندگی وسعت و امانِ صراط — المدد المدد اے خضر بیابانِ صراط
ہر قدم پہ نگۂ یاس ہے یارانِ صراط — دیکھتے ہیں تجھے مڑ مڑ کے ضعیفانِ صراط
ڈگمگاتے ہیں قدم کون سنبھالے آجا

کان میں کچھ جو ادھر عذر نزاکت نے کہا — مرحبا پڑھ کے ادھر شاہد وحدت نے کہا
آ بلائیں تری لوں جوش محبت نے کہا — پہنچا محبوب تو مشاطۂ قدرت نے کہا
خلوت راز میں اے ناز کے پالے آجا

سریش بھٹ:

سریش بھٹ مراٹھی زبان و ادب میں جدید مراٹھی شاعری کے معروف شاعر ہیں۔ ان کے والد کا نام شری دھر بھٹ ہے۔ ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد صحافت کو پیشہ بنالیا اور اس میدان میں خوب ترقی کی۔ ناگپور سے شائع ہونے والے مراٹھی اخبار 'بھومت' کے مدیر رہے۔ 'روپ گندھا' اور 'رنگ ماجھا ویگوا' آپ کی مراٹھی میں شعری تخلیقات ہیں۔ سریش بھٹ نے اردو غزل کو مراٹھی میں متعارف کرایا ہے۔ ان کی مراٹھی غزلیات کا مجموعہ 'یلغار' ہے۔ جس کو قبولِ عام کی سند ملی ہے۔ موصوف کالم نویس بھی ہیں ان کے طنزیہ اور مزاحیہ مراٹھی کالم قارئین بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں یہ حقائق کو بیان کرنے میں کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوتے۔ انسانی اقدار کا خیال رکھتے ہیں۔ سریش بھٹ کی درج ذیل نعت ۱۹۸۹ء میں یومِ ولادت النبیؐ کے موقع پر ناگپور سے شائع ہونے والا روزنامہ 'لوک مت' کے خصوصی ایڈیشن میں شائع ہوئی ہے۔ جس کے مدیر جواہر لال درڈا تھے۔ یہ مشہور اخبار بیک وقت تین چار شہروں سے شائع ہوتا ہے۔

مراٹھی نعت (اردو رسم الخط)

اجاڑ، ویران داڑونئی کھڑاؤ مار ابھرا محمدؐ
جگات دین دکھاناچا اکھیرچا آسرا محمدؐ

اتاچ ڈوڑے پوسون جھالے اتاچ می لاگلو ہسایا
اتاچ ما بھیتلا جیوا چا سکھا ملا یاسرا محمدؐ

کھرچ تو چندرا مرتا چا کھرچ روسور یہ جیونا چا
دشا دشا پرکا شارا دسے تجھا چہرا محمدؐ

تجھا گھرا چی طرح چ نیاری سحان شرمنت رابھکاری
تجھا گھری دلے اتاملا ہی لہان ساکوپرا محمدؐ

جسے تجھے ناؤ گھیتلے می تجھا دیئے چا سگندھ آلا
اجون ہی انترات ماجھا پھلے تجھے موگرا محمدؐ

بھلے برے پاہیلے می کئی کھرے ان کیتک کھوٹے
بھلیا ماجھا محمدؐ کھریات ماجھا کھرا محمدؐ

منظوم ترجمہ: از ڈاکٹر عصمت جاوید

ہے تو ہی ویراں ریگزاروں میں چشمہ جاریہ محمدؐ
کہ تو ہی اک آخری سہارا ہے بے سہاروں کا یا محمد

ابھی تھے آنکھوں سے اشک جاری ابھی لبوں پر ہنسی ہے طاری
ہجوم غم میں قریب دل کے جو خندہ بر لب ملا محمد

ہے ماہتاب نشاط تو ہی آفتاب حیات تو ہی
جہاں جہاں کیوں کرے نہ روشن ترا رخِ پر ضیا محمدؐ

جہاں میں سب سے الگ ترا گھر، جہاں ہیں شاہ و گدا برابر
مجھے بھی اس گھر کے ایک کونے میں دیدے تھوڑی سی جا محمدؐ

جو نام آیا ہے تیرا لب پر نفس نفس ہے میرا معطر
روشن روشن موگرا کھلا ہے جو دل سے نکلی صدا محمدؐ

برے بھی دیکھے بھلے بھی آنکے مری نظر میں ہے سب جہاں کی
بس ایک سچا مرا محمدؐ سبھوں سے اچھا مرا محمدؐ

سورج۔سورج نارائن:

جناب سورج نارائن راج ۳ر اپریل ۱۹۴۶ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے گورنمنٹ ہائی اسکول سے میٹرک، گورنمنٹ ڈگری کالج؛ کوہاٹ سے بی۔اے اور پشاور یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم۔اے کیا۔ ایوب صابر سے تلمذ رکھتے تھے۔ سورج نرائن نے پہلا شعر ۱۹۵۸ء میں اس وقت کہا جب پانچویں جماعت کے طالب علم تھے۔ فی الحال کوہاٹ میں مقیم ہیں۔ ان کے دو شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ پہلا مجموعہ 'پیاسا چاند' ۱۹۷۰ء میں چھپا جو ایک خوبصورت شعری مجموعہ ہے

جس میں لب ولہجہ کی غنائیت وتازگی، توانائی اور شعریت نمایاں ہے۔ اس مجموعے میں نرم ولطیف و خوشگوار مدھم اور لوچدار الفاظ وتشبیہات کا استعمال بڑے حسن وخوبی سے کیا گیا ہے۔

دوسرا مجموعہ 'ہاتھوں میں دعائیں جلتی ہیں' ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں ۱۰۱ غزلیں ہیں۔

نمونۂ کلام:

ڈگمگاتی ہوئی کرنوں کا سنبھالا آیا — کس کے آنے سے زمانے میں اجالا آیا

کس کی برکت سے بجھی بانجھ زمیں کی خشکی — ریت پر کس کے سبب برف کا گالا آیا

کون ایمان کا مہتاب پہن کر نکلا — کس کے منشور پہ احساس کا بالا آیا

بے خطر کس نے مدینے کی طرف ہجرت کی — لازماً کس کے لیے دیس نکالا آیا

شعر در شعر امڈ آئیں شعائیں کس کی — بول اے نوک قلم کس کا حوالہ آیا

کس نے موجوں سے سنا ذکر محمدؐ سورج — کس سفینہ کے مقدر میں اچھالا آیا

سوزؔ۔ ہیرانند:

جناب ہیرانند سوزؔ کا شمار صوبہ ہریانہ کے نمائندہ شعرا میں ہوتا ہے۔ موصوف قابل ذکر افسانہ نگار بھی ہیں۔ آپ ۱۹ رمئی ۱۹۲۳ء میانوالی پاکستان میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی جناب ٹیک چند ضلع مظفر گڑھ میں پولس آفیسر تھے اس لیے ابتدائی دور یہیں گذرا دسویں جماعت کا امتحان اپنے سر سے سایۂ پدری اٹھنے کے بعد پاس کیا، انجینئرنگ کا پانچ سالہ کورس کرنے کے لیے لاہور میں رہے جہاں کا ادبی ماحول انھیں راس آیا۔ ۱۹۴۳ء میں ریلوے کی ملازمت اختیار کرلی اور شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے اس کا سبب جناب قمر جلال آبادی تھے جو 'اسٹار' لاہور کے مدیر تھے۔ اسی زمانے میں مشہور افسانہ نگار رام لعل سے بھی گہرے مراسم رہے اور یہ محبت بھی رنگ لائی اسی لیے آپ نے اپنے افسانوی مجموعے 'ساحل، سمندر اور سیپ' کو جناب رام لعل کے نام معنون کیا۔ اس طرح شعر

گوئی اور افسانہ نگاری یعنی نظم ونثر باہم آپ کے زیر قلم رہے۔

ہیرا نند سوزؔ کے شعری تخلیقات کے ساتھ ساتھ افسانے بھی برصغیر ہند و پاک میں باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ ساتویں صدی کے دہائی کے آغاز میں جالندھر ریڈیو اسٹیشن نے بھی آپ کے کلام کی پذیرائی شروع کردی تھی۔ جناب ہیرا نند سوز کے اخلاص، ایثار اور علم دوستی کا ایک زمانہ معترف ہے۔

اپنی عام زندگی میں ہیرا نند سوزؔ ہمیشہ پچھلی صف میں کھڑے ہونے کے عادی رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے نام اور کام کی تشہیر کے سلسلے میں کبھی کسی مریضانہ سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ان کی جگہ صف اول میں ہے اور ہمیشہ صف اول میں کھڑے ہوئے دکھائی دیں گے۔ جناب ہیرا نند سوزؔ کے تین افسانوی مجموعے "کاغذ کی دیوار" اور "ساحل سمندر اور سیپ" اور "نقش گر" شائع ہو چکے ہیں۔ شعری مجموعہ "سورج میرے تعاقب میں" طبع ہو چکا ہے۔ موصوف ہریانہ کی مختلف ادبی انجمنوں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ نعت گوئی بڑے اہتمام سے کرتے ہیں۔

نمونہ کلام:

جب بھی کہیں پہ مدحتِ شان خدا ہوئی
ذکر رسول پاک سے ہی ابتدا ہوئی

وہ پا گیا نجات گناہوں کے بوجھ سے
محشر میں جس کو ان کی شفاعت عطا ہوئی

نور خدا تھا رخ پہ رسالتماب کے
پروانہ وار آپ پہ دنیا فدا ہوئی

ہر امتی پہ رنج و مصائب کی دھوپ میں
سایہ فگن انھیں کے کرم کی ردا ہوئی

اکسیر ہوگئی میری بصارت کے واسطے
مجھ کو نصیب ان کی اگر خاک پا ہوئی

اے شاہ مرسلین کتاب مبین سے
فطرت ترے غلام کی حق آشنا ہوئی

اترے ہیں جب بھی ذہن میں اشعار نعت کے
اے سوزؔ ان سے میری عقیدت سوا ہوئی

....

سجدہ کیا ہے جب بھی تو اس التجا کے ساتھ — نام رسول لب پہ رہے ہر دعا کے ساتھ
دھویا انھوں نے سب کے دلوں سے غبار جہل — ذکر حضور فرض ہے ذکر خدا کے ساتھ
رب کریم مجھ کو بھی توفیق کر عطا — پہنچوں در حبیب پہ صدق وصفا کے ساتھ

نعت

وفور جذب محبت رسول ہوتا ہے — تو ان پہ جان بھی دنیا قبول ہوتا ہے
ہے ان کا سایۂ رحمت تمام عالم پر — کہ جس کا عرض کوئی اور نہ طول ہوتا ہے
جہاں جہاں بھی چلے ذکر مصطفٰے کی نسیم — وہاں زبان کا ہر لفظ پھول ہوتا ہے
کرے تلاوت قرآں بہ جذبۂ ایماں — دیار روح میں جا کر حلول ہوتا ہے
جو پورے صدق سے امت میں انکی رہتے ہیں — ہر ایک فعل ہی ان کا اصول ہوتا ہے
مجھے نصیب نہیں کیوں در حضور کی دید — دل اس خیال سے بے حد ملول ہوتا ہے
اے سوؔز تجھ پہ عنایت یہ ان کی کیا کم ہے — کہ حمد و نعت کا تجھ پر نزول ہوتا ہے
ہم پر خدا کا فضل وکرم بھی انھیں سے ہے — وہ شافع جہاں ہیں ہر اک بے نوا کے ساتھ
اے سوؔز ان کا سایہ ہی راہ نجات ہے — رہنا ہر اک حال میں مشکل کشا کے ساتھ

شاؔد۔ مہاراجہ سر کشن پرشاد:

مہاراجہ سر کشن پرشاد ۲۸ رجنوری ۱۸۶۴ءکو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام راجہ ہری کشن پرشاد تھا۔ آپ کے نانا مہاراجہ نریندر پرشاد اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ اس لیے شاؔد صاحب کی تعلیم و تربیت انھوں نے فرزند سمجھ کر کی۔ چنانچہ آپ نے انگریزی، اردو، فارسی، تیلگو اور مراٹھی میں اچھی استعداد حاصل کر لی تھی۔ آپ نے مدرسۂ عالیہ حیدر آباد میں تعلیم پائی۔ شاد صاحب اپنے دادا کی جاگیر کے وراث ہوئے۔ ۱۳۰۹ءمیں معین المہام فوج مقرر ہوئے۔ ۱۳۱۹ءمیں مدالمہامی کا عہدہ

عطا ہوا۔ ۱۳۲۵ھ میں صدارت العظمیٰ کی خدمت سپرد ہوئی۔ ۱۳۹۱ھ میں 'راجہ بہادر' ۱۳۱۰ھ راجہ راجایاں مہاراجہ بہادر اور ۱۳۲۰ء میں یمین السلطنت کے خطابات سے نوازے گئے۔ حکومت ہند کی طرف سے ۱۹۰۳ء میں سی، آئی، ای اور ۱۹۱۰ء میں جی، سی، آئی کے خطابات سے نوازے گئے۔

آپ صفات انسانی سے مالا مال تھے۔ مرنج و مرنجان، شریف، وضعدار اور پرانی شریفانہ خصوصیات کی اپنی مثال آپ تھے۔ سرکشن پرشاد حضور نظام سابق یعنی میر محبوب علی خاں کے شاگرد ہیں جنھوں نے ان کو 'شاگرد خاص آصف جاہ' کے معزز لقب سے ممتاز کیا تھا۔ اردو جرائد 'دبدبۂ آصفیہ' اور 'محبوب الکلام' میں ادارت بھی کی۔ آپ کے مصاحبین میں امیر، جلیل ظہیر سرشار، فانی، ہوش، ثاقب اور صفیر وغیرہ شامل ہیں۔ بقول ڈاکٹر رام بابو سکسینہ: ''موصوف ایک اچھے خاصے صوفی ہیں۔ ان کے دیوان اردو اور فارسی میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایک دیوان معروف بہ 'حمکدۂ رحمت' میں نعتیہ اشعار ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعصّبات سے مرتفع ہو کر آپ مذہب کو کس بلند نظر سے دیکھتے تھے اور اخوت انسانی کے کس قدر قائل ہیں۔ کلام بہت دلچسپ اور بے تکلف ہوتا ہے۔ علی الخصوص فارسی اور عربی اشعار کا اردو شعر میں ترجمہ یا تضمین بہت دلکش و دلفریب ہوتی ہے۔''

'ہدیۂ شاد' میں لطیف احمد اختر مینائی کی تقریظ شامل ہے جس میں انھوں نے جناب شادؔ کی نعت گوئی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''کلام خود کہتا ہے کہ ایسے سوز و گداز کے اشعار بغیر دل کی لگی کے نہیں نکلتے۔'' شادؔ صاحب کے رنگ سخن کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ''حق تو یہ ہے کہ اس گویائی کا رنگ امیر کے رنگ سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے جس سے ثابت ہوتا کہ جناب مصنف نے امیر مینائی کا کلام بہت دلچسپی اور والہیت کے ساتھ دیکھا اور سنا ہے۔'' شاعری کی ہر صنف میں آپ کا کلام گوہر آبدار بن کر چمک رہا ہے چونکہ آپ کی طبیعت میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر فطرت نے بھر دیا ہے۔ اس لیے آپ کے سارے کلام میں عرفان کی جھلک موجود ہے۔ نعتیہ اشعار میں

تصوف کے مسائل کا بیان بھی شاد کے یہاں اکثر و بیشتر ملتا ہے جو حقیقت میں ان کے صوفی مشرب ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ شاد نے جہاں داخلی جذبات کے اظہار میں نہایت لطیف پیرایہ اختیار کیا ہے جذب و شوق کی فراوانی سے اپنے خلوص کا ثبوت دیا ہے۔ وہاں اکثر نعت گو شعراء کے رنگ میں رسول کریم سے عشق کا اسی طرح اظہار کیا ہے۔ جس طرح ایک شاہد مجازی سے کیا جاتا ہے۔ جناب سرکشن پرشاد کے جذبات حقیقی کا یہ انعام ہی کہا جاسکتا ہے کہ اردو نعت گویوں میں یہ شرف آپ ہی کو حاصل ہے کہ مدینۃ النبی کے اس کتب خانہ کی دیوار پر آپ کا کلام آویزاں ہے۔ جو مسجد نبوی سے متصل شیخ الاسلام عارف حکمت نے قائم کیا تھا۔

آپ نے تقریباً اسی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں یہ ۴۷ کتابوں کی فہرست محمد عبداللہ قریشی نے 'اقبال بنام شاد' درج کی ہے۔ سرکشن پرشاد کی تقریباً چالیس کتابیں موجود ہیں جن میں 'بزم خیال، رباعیات شاد، ہدیۂ شاد، فریاد شاد، مطلع خورشید، ایمان شاد، خمار شاد، نغمۂ شاد، ارمغانِ وزرات، مخزن القوافی، مثنوی آئینہ موجود اور مثنوی سرو جود قابل ذکر ہیں اور مشہور بھی ہیں۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد ۹ رمئی ۱۹۳۹ء کو جہانِ رنگ و بو سے رخصت ہوئے۔

بقول ڈاکٹر شمیم گوہر: ''شاد کی نعتیہ شاعری جذبۂ عقیدت اور حسن لطافت سے وابستہ ہے زبان و بیان معیاری اور باوزن ہے جس میں لچک، لطافت، نزاکت اور سادگی اور روانی ہے۔ تخیلات اور تصورات میں سنجیدگی اور ٹھہراؤ ہے اور عقیدت و محبت میں رکھ رکھاؤ ہے۔ یوں تو نعت گو ہندو شعراے معتقدین کی تعداد بے شمار ہے جن میں چند نعت گو شعرا کی شاعری اور فکری حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا مگر اس کے باوجود ہندو شعراء کی صف میں مہاراجہ کشن پرشاد کی شعری حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے

نعتیہ کلام شاد

اشرف انبیا حبیب خدا زینت مسندِ جہاں بانی

ان کا شہر مدینہ مسکن ہے خلد کا ہے جو نقشۂ ثانی
راز وحدت کے راز دار ہیں یہ بزم کثرت میں ہیں یہ لاثانی
آپ خیرالبشر ہیں کچھ نہیں شک آپ کی ذات لطفِ سبحانی
کیا سراپے کا ان کے وصف کروں دونوں عالم ہیں ان سے نورانی
بذل وجود و عطا کا کیا کہنا بحر رحمت کی طغیانی
گو کہ اُمّی جہاں میں تھے مشہور تھا تکلم کلامِ ربانی
ادب و خلق اور مروت سے پھیلی آفاق میں مسلمانی
ایسے بے مثل بندہ پرور کی ہوسکے کیا بھلا ثناء خوانی

....

عرش عظیم پر کہ تہٗ آسماں نہ تھا یا رب ترے حبیب کا جلوہ کہاں نہ تھا
معراج میں حضور ہوئے جب کہ باریاب بس آپ تھے اکیلے کوئی اور واں نہ تھا
احمد کے در پہ اس لیے بھی چپ سا رہا سجدہ کے لائق اورکوئی آستاں نہ تھا
سازگار اپنا زمانہ ہوگیا ہند سے طیبہ کو جانا ہوگیا
دفن یثرب میں ہوا لاشہ میرا اور مسافر کا ٹھکانہ ہوگیا
بت پرستی اب کہاں باقی رہی اس کو چھوڑ اک زمانہ ہوگیا
کفر چھوڑا پی کے مے توحید کی رنگِ شاد اب عاشقانہ ہوگیا
میرے والی میرے مولا میرے سلطان عرب میرے محبوب خدا پیارے نبی جان عرب
لاکھوں مبعوث پیغمبر ہوئے اس عالم میں کون حضرت سا ہوا شان عجم جان عرب
بلغامان گئے سارے بلاغت کو تیری اور قائل ہیں فصاحت کے فصحان عرب

ہندی و رومی و مکی و مدنی سب اے شآد — جان و دل سے ہیں مطیع شہ ذی شان عرب

....

بلوائے مجھے واں پہ جو سلطانِ مدینہ — جاتے ہی میں ہو جاؤں گا قربان مدینہ
وہ گھر ہے خدا کا تو یہ محبوب خدا ہیں — کعبہ سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شان مدینہ
لے جاؤں گا میں ساتھ فقط عشق محمدؐ — تحفہ ہے مرے پاس شایان مدینہ
کیوں میری شفاعت میں بھلا دیر لگے گی — کیا مجھ کو نہیں جانتے سلطان مدینہ
مومن جو نہیں ہوں تو میں کافر بھی نہیں شآد — اس رمز سے آگاہ ہیں سلطان مدینہ

....

جز عشق اور کیا ہے دل مبتلا کے پاس — رہتی ہے اپنی جان رسول خدا کے پاس
کہتا ہے بار بار یہی مجھ سے شوق دید — اٹھو، چلو مدینے کو اب مصطفےٰ کے پاس
عقدہ نہیں کھلا شب معراج کا ہمیں — فرمایا کیا خدا نے۔ نبی کو بلا کے-پاس
حاجت بر آئے گی دل امیدوار کی — عرضی پہنچ گئی شہ دوسرا کے پاس
کیوں مبتلا ہو عاشقو دردِ گناہ میں — اس کی دوا ہے شافع روز جزا کے پاس

رباعیات

نعلینِ رسول چتر شاہی میرا — سرتاج یہ تاج کج کلا ہی میرا
میں حمد خدا و نعت گوئی سے ہوں شاد — ہو خاتمہ با الخیر الٰہی میرا
جلد آئے مرے واسطے وہ دن مولا — جاؤں میں کہیں ہند سے سوئے بطحیٰ
اور روضہ پہ جا کر یہ کہوں با دل شاد — یا سید مکی مدنی صل علیٰ

شاداںؔ۔ مہاراجہ چندولال:

مہاراجہ چندولال ۱۷۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ راجہ مول چند کے پوتے اور رائے نارائن داس کے فرزند اکبر تھے۔ اس خاندان کا سلسلہ راجہ ٹوڈرمل سے ملتا ہے جو ابراہیم شاہ لودھی، شیر شاہ لودھی اور شہنشاہ اکبر کے وزیر مال تھے۔ راجہ چندولال کی تعلیم وتربیت نائک رام کی خاص نگرانی میں ہوئی۔ ۱۲۱۲ء میں خطاب سے نوازا گیا۔ آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر نواب سکندر جاہ نے افواج آصفیہ کا پیشکار مقرر کیا۔ ۱۲۳۵ء میں نواب نے راجہ چندولال کو مہاراجہ، پالکی، جھالردار نوبت سے سرفراز کیا۔ ان نوازشات کے علاوہ ایک کروڑ روپیے بطور قرض دیئے اسے نواب سکندر جاہ کے انتقال کے بعد ناصر الدولہ نے کاملاً معاف کر دیا اور راجہ راجایان کے خطاب سے سرفراز کیا۔ بعض حالات کے بنا پر انگریز جنرل حیدرآباد آئے تو انھوں نے مہاراجہ چندولال کے خلاف الزامات کی طویل فہرست گورنر جنرل کے پاس پیش کی۔ ۱۸۴۳ء میں جنرل کے اصرار پر معزول کر دیئے گئے۔ ۵/اپریل ۱۸۴۵ء کو انتقال کیا۔ بقول ڈاکٹر رام بابو سکسینہ، امراء، رؤساء، ریاست عہد قدیم میں بہ حیثیت سرپرست شعراء واہل کمال کے جو مرتبہ مہاراجہ چندولال کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ ان کی سخاوت کی مثالیں بطور ضرب المثل حیدرآباد میں مشہور ہیں۔ ان کی سخاوت کا شہرہ سن کر ہندوستان اور ایران کے اکثر شعراء اور اہل کمال وہاں جمع ہو گئے۔ ملکۂ سخن میں بھی آپ کی اردو کے لیے خدمات کی شاندار خراج تحسین ان الفاظ میں پیش کیا گیا۔

> ''حیدرآباد میں مہاراجہ چندولال کے خاندان نے جو احسانات اردو پر کیے ہیں وہ ہمیشہ یاد رہیں گے۔''

اس زمانہ میں جب شمالی ہند میں عام طور پر انتشار واضطراب پھیلا تھا دکن میں شاداںؔ کی فیاضوں سے اردو خوب پھل پھول رہی تھی۔ اس علم دوست ہستی نے اپنی قدردانیوں سے شمال سے کئی بلند

پایہ شعرائے اردو کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا اور شعر و سخن کی وہ محفلیں آراستہ کیں کہ دکن شمع ادب کی ضیا پاشیوں سے منور ہو گیا۔ مہاراجہ چندو لال شاداںؔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ دو دیوان اردو کے اور ایک دیوان فارسی ان کی یادگار ہیں۔ ایک کتاب 'عشرت کدۂ آفاق' بھی آپ کی تصنیف ہے۔ جس میں انھوں نے اپنے خاندانی حالات اور خود اپنی سوانح اور خدمات کا حال مسلسل لکھا ہے۔ شاداںؔ نے قصیدے، غزل، مثنوی اور رباعیات کہی ہیں۔ ادارۂ ادبیات اردو کی جانب سے شائع شدہ مرقع سخن جلد اول میں آپ کی شخصیت اور شاعری پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔

جناب رمن لال سکسینہ نے آپ کے شعری محاسن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وہ ایک فطری شاعر ہے۔ ان کا کلام ان کے جذبات اور کردار کا آئینہ دار ہے۔ بیان میں سادگی اور خلوص ہے۔ الفاظ میں ندرت، تکلف اور رکھ رکھاؤ کی خاطر انھوں نے اپنے اصل رنگ کو قربان نہیں کیا وہ ایک مذہب پرست صوفی امیر تھے اور یہ رنگ ان کے کلام میں جا بجا ملتا ہے۔''

آپ نے بڑے عقیدت کے ساتھ نعتیں بھی لکھی ہیں۔ بطور نمونہ یہ شعر ملاحظہ ہو:

رتبہ تیرے قدموں سے ملا عرش بریں کو ۔۔۔ تو صاحب معراج ہے تو صاحب لولاک

شباب للت بھگوان داس:

رام کرشن للت کے یہاں جناب بھگوان داس شباب للت نے ۳/اگست ۱۹۳۳ء کو خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) کے ایک خوشحال تاجر گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قصبہ میں پائی اور میٹرک کی تعلیم مظفر گڑھ میں حاصل کرتے ہوئے نومبر ۱۹۴۷ء میں مشرقی پنجاب بھارت میں منتقل ہو گئے۔ آپ ایم۔ اے اردو و تاریخ کی سند حاصل کیے ہیں۔ سونے کا تمغہ حاصل کر چکے ہیں۔ کچھ عرصہ روز نامہ 'ویر بھارت' دلی میں سب ایڈیٹر رہے۔ روہتک کے ماہنامہ 'لہریں' کی ادارت بھی کر چکے ہیں۔ آج کل بھارت کی مرکزی حکومت کے وزارت اطلاعات و نشریات

میں پبلیسٹی آفیسر کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں۔

جناب شباب للت نے ۱۹۴۱ء میں شاعری کا آغاز کیا اور پہلی غزل ۱۹۴۶ء میں لاہور کے ماہنامہ جریدہ 'ادوم' میں شائع ہوئی۔ برصغیر پاک و ہند کے اکثر رسائل و جرائد میں آپ کا کلام شائع ہوتا ہے۔ محترم شباب للت اشاعتی معاملہ میں بھی خوش نصیب ہیں۔ آپ کی اب تک پندرہ تصانیف منظر عام پہ آچکی ہیں جن میں اردو شعری مجموعہ مضراب ۱۹۶۱ء، پروائی ۱۹۶۳ء، پتوار ۱۹۶۴ء، منزل منزل ۱۹۷۰ء، صحرا کی پیاس ۱۹۷۳ء، اڑان ۱۹۷۶ء، دائروں کا سفر ۱۹۸۰ء، زرد موسموں کا درد ۱۹۸۳ء، سمندر پیاسا ہے ۱۹۸۶ء، آنچ برف زاروں کی ۱۹۸۸ء شامل ہیں۔ ان میں سے چھ مجموعوں پر انعامات مل چکے ہیں۔

ان کے علاوہ ہندی میں بھی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ پہاڑی زبان کی شعری کتابیں بھی چھپی ہیں۔ آپ نے بشمبھر پرشاد منور لکھنوی سے اکتساب فیض کیا ہے۔ شباب للت کی قدیم و جدید متوازن امتزاج کی شاعری میں روحانیت کا عنصر نمایاں ہے۔ موصوف شاعری کو اپنی عیاشی کا سامان نہیں سمجھتے، آپ کئی ادبی اداروں سے منسلک ہیں۔ نعت گوئی میں بھی دخل رکھتے ہیں۔

نمونہ کلام:

حاصل نہ ہوا گو مجھے دیدار محمدؐ　　دیتا ہے مجھے روشنی کردار محمدؐ
ہر آیت قرآں ہے طہارت کا خذینہ　　احکام ہیں یزداں کے بگفتار محمدؐ
اے خاک مدینہ تجھے آنکھوں سے لگالوں　　دامن ہے ترا مطلع انوار محمدؐ
دشمن کا بھی مانا نہ برا بلکہ دعا دی　　دیکھے تو کوئی جذبۂ ایثار محمدؐ
محشر میں کریں گے وہی بخشش کی سفارش　　ہر سچے مسلمان سے ہے اقرار محمدؐ
جنت نہ ملے حشر میں تو اپنی بلا سے　　خوش ہوں کہ ملے گا مجھے دیدار محمدؐ

خود سیرت یزداں کا آئینہ و صورت | اک نور کا مینار ہے کردار محمدؐ
گلہائے نوازش ذرا دو چار ادھر بھی | صدقے ترے اے دامن گلبار محمدؐ
کرتے رہے توحید کے چشمے اسے سیراب | شاداب و شگفتہ رہے گلزار محمدؐ
محبوب الٰہی وہ رسول عربی ہے | کل امت اسلام ہے دلدار محمدؐ
انسان کو انسان بنانا ہے ابھی تو | ہے تشنۂ تکمیل ابھی کار محمدؐ
منعم سے زیادہ یہاں مفلس کی ہے پرستش | دربارِ محمدؐ ہے یہ دربارِ محمدؐ
میرا بھی ہے مخدوم وہ محبوب الٰہی | میں بھی شباب ادنیٰ پرستار محمدؐ

شفیق۔ لچھمی نارائن رائے:

رائے لچھمی نارائن کھتری، اورنگ آباد دکن کے رہنے والے تھے۔ ۲۳ رفروری ۱۷۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد رائے منسارام سلطنت دکن میں ایک عرصہ تک پیشکار رہے۔ آپ نے مولوی شیخ عبدالقادر سے درسی کتب پڑھیں۔ فن شعر میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے شاگرد تھے۔ پہلے صاحب تخلص اختیار کیا جب میر مسیح صاحب کا شہرہ ہوا تو اپنے استاد کے مشورے سے شفیق تخلص رکھا اسی لیے اس سے پہلے دیوان میں 'صاحب' اور دوسرے میں 'شفیق' تخلص ملتا ہے۔ آپ نے فارسی میں کلام زیادہ کہا ہے۔ آپ کی تصنیف میں اثر آصفی، اثر حیدری، تذکرۂ گل اور مراعاۃ الہند وغیرہ ہیں۔

مولوی محمد مبین کیفی چریا کوٹی نے آپ کے طرز اظہار کے بارے میں لکھا ہے۔

''ان کی زبان ان کے دکن کے ہمسروں کے مقابلے میں بہت صاف ہے۔''

شفیق صاحب کا سن وفات مالک رام صاحب نے ۱۸۰۱ء لکھا ہے۔ سید محمد رضا کی تحقیقی کتاب 'لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی حیات اور کارنامے' شائع ہو چکی ہے۔

نمونۂ کلام:

عجب تھی رات وہ انوار افشاں | کہ ہر کوکب تھا اک مہر درخشاں
کہوں گر رات اس کو ہے تامل | کہوں گر دن تو عالم میں پڑے غل

....

غرض غفلت سبھوں پر چھارہی تھی | خرد داروئے حیرت کھارہی تھی

....

سفر نیک سے پیغام لایا | سلام حق کہا اور یہ سنایا

....

در حجرہ پہ دو آ جوڑ کر ہاتھ | کہا سرورؐ ترے پر حق کی صلوٰۃ

....

چل اٹھ اے شہ کہ ہے معراج تیرا | غنی بھی آج ہے محتاج تیرا

شیدا انبالوی۔ بناری داس:

جناب بناری داس شیدا انبالوی خلف کیشو رام بھارتی صوبہ ہریانہ کے بزرگ شاعر ہیں۔ ۱۹/ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو قصبہ ملانہ تحصیل و ضلع انبالہ (ہریانہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ ایم۔ اے (تاریخ) اور بی۔ ایڈ ہیں۔ آپ کی شاعری کا آغاز ۱۹۲۸ء میں ہوا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے دوران علامہ تاجور نجیب آبادی اور عابد لاہوری کی رہنمائی میں آپ کے ذوق سخن کو فروغ ملا۔ گورنمنٹ کالج، چنڈی گڑھ میں دس سال تک درس و تدریس کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے اور کئی سال تک حصار میں ڈپٹی ایجوکیشنل آفیسر بھی رہے۔ آپ حضرت جوشؔ ملسیانی کے شاگرد ہیں۔ اس طرح شعری سلسلے میں دبستان داغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے کلام کے چار شعری مجموعے شائع ہو چکے

ہیں۔ 'وقت کی آواز' (نظمیں)، دل کی آواز (غزلیات)، دھڑکنیں (قطعات) اور رباعیات کا مجموعہ 'الجھنیں' ہیں۔ آخر الذکر کو ہریانہ اردو اکادمی کا انعام ملا ہے۔ موصوف بزم ادب چنڈی گڑھ اور بزم سخن حصار کے صدر اور ساہتیہ سنگم انبالہ کے سیکریٹری ہیں۔

نمونۂ کلام:

سبق آموز گفتار محمدؐ حیات افروز کردار محمدؐ
لٹاتا ہے جو دولت دین حق کی وہی ہے ایک دربار محمدؐ
دعائیں کیں مخالف کے لیے بھی کوئی دیکھے تو کردار محمدؐ
اسے حاصل ہے دیدارِ الٰہی جسے حاصل ہے دیدار محمدؐ
نجوم و ماہ و مہر ان سے ہیں دلکش عیاں ہے ان میں انوار محمدؐ
حسینانِ جہاں قربان اس پر سراپا حسن رخسار محمدؐ
سوالی کب ہوں میں کس اور در کا کرم گستر ہے دربار محمدؐ
جہاں جھکتے ہیں سر گردن کشوں کے وہ اے شیدؔا ہے سرکار محمدؐ

صابرؔ ابوہری۔ سردار آرام:

جناب صابر ابوہری ۱۵ر ستمبر ۱۹۱۹ء کو دھرم پورہ ضلع فیروز پور میں ایک معزز زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی اور پھر لاہور میں تعلیم جاری رکھتے ہوئے منشی فاضل اور بی اے کر کے دہلی میں امتیازی حیثیت سے انگریزی ادب میں ایم، اے کیا۔ محکمۂ تار اور ڈاک میں خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۹۷۷ء میں چیف سپرنٹنڈنٹ ٹیلی گراف مغربی بنگال کے عہدۂ جلیلہ سے ریٹائر ہو کر فرید آباد میں مقیم ہیں۔

جناب صابر ابوہری کو شاعری کا شوق اوائل عمر ہی سے تھا۔ آپ نے جناب رشیؔ پٹیالوی کی ایماء پر ۱۹۵۷ء میں شعر کہنا شروع کیا۔ موصوف نے علامہ اقبالؔ کی اسّی فارسی رباعیات اور ایک سو

دس فارسی اشعار کا منظوم ترجمہ کیا۔ اردو کا فروغ آپ کا مشن ہے۔ انجمن ترقی اردو ہند کے سکریٹری اور صدر کے مناصب پر فائز رہ کر علم و ادب کی خدمت انجام دے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی انجمنوں میں سرگرم حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آج کل پنجابی پردیش اردو ساہتیہ سنگم دلی کے نائب صدر ہیں۔ جناب سردار رام صابر اردو میں میرؔ، غالبؔ اور اصغرؔ، فارسی میں سعدیؔ، حافظ اور مولانا رومؔ اور انگریزی میں کیٹس اور ورڈس ورتھ کے کلام کو خاص طور پر پسند کرتے ہیں۔ اردو کے علاوہ فارسی، ہندی، انگریزی، سنسکرت اور پنجابی زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں۔ صابر صاحب دبستان داغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نسیم نورمحلی کے شاگرد ہیں۔ جناب جوش ملسیانی سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہے۔ انکے دو شعری مجموعے 'نوائے جنون' ۱۹۷۸ء اور 'نوائے شوق' ۱۹۸۶ء منظر عام پر آچکے ہیں جن میں غزلیں، قطعات اور منظومات کے علاوہ فارسی کلام بھی شامل ہے۔

نمونۂ کلام:

محرم - راز نہاں ذات نبیؐ سر حق کی ترجماں ذات نبیؐ
ابر رحمت اہل عالم کیلیے رہنمائے قدسیاں ذات نبیؐ
شفقت و مہر و خلوص و انس کا ایک بحر بیکراں ذات نبیؐ
اہل حق کے واسطے تیغ و سپر بے زبانوں کی زباں ذات نبیؐ

....

منبع جود و سخا ذات نبیؐ بے کسوں کا آسرا ذات نبیؐ
باعث صد ناز دنیا کے لیے افتخار کبریا ذات نبیؐ

....

ہادی نوع بشر ذات نبیؐ راحتِ قلب و نظر ذات نبیؐ

ایک امّی کا لبادہ ہے تو کیا مخزنِ علم و ہنر ذات نبیؐ

....

پیکرِ تنویرِ حق ذات نبیؐ مظہر تکبیر حق ذات نبیؐ
امّی کے مطلق حریفوں کے لیے واقف تحریر حق ذات نبیؐ

....

محرم اسرار حق ذات نبیؐ مرکز پرکار حق ذات نبیؐ
اس کی عظمت کیا بتاؤں میں تمھیں لائق دیدار حق ذات نبیؐ
منبع لطف و کرم ذات نبیؐ زینت خلدِ ارم ذات نبیؐ
ماورائے کیف و کم ذات نبیؐ ساز حق کا زیر و بم ذات نبیؐ
کاشف اسرار حق ذات نبیؐ مطلع انوار حق ذات نبیؐ
ناز ہے جس پر خدا کی ذات کو وہ عجب شہکار حق ذات نبیؐ

....

پیمبر، نبی، رہنما بن کے آئے محمد رسول خدا بن کے آئے
سکھائے اخوت کے آداب سب کو محبت کے نغمہ سرا بن کے آئے
کیا شرک سے پاک جہاں کو وہ توحید حق کی نوا بن کے آئے
منور کیا ذہن نوع بشر کا وہ عرفان حق کی ضیاء بن کے آئے
مٹا ڈالا ہر ایک رسم کہن کو وہ ایک عہد نو کی بنا بن کے آئے

ضیاء فتح آبادی۔ مہر لال سونی:

جناب مہر لال فتح آباد کے باشندے اور سونی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سالِ ولادت

۱۹۱۳ء ہے آپ نے فارسی میں بی، اے (آنرس) کیا اور پھر انگریزی میں ایم، اے کیا۔ بینک میں ملازم رہے۔ شاعری میں حضرت عاشق حسین سیماب اکبر آبادی سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔'نور مشرق' منظومات، نئی صبح، نظمیں، غزلیں، قطعات، طلوع، قطعات، گرد راہ' اور تنویر میں غزلیات آپ کی تصنیفات ہیں۔ حضرت ابر گنوری نے 'گرد راہ' میں ضیاء اوران کی شاعری کے عنوان سے اپنے طویل مضمون کے آخر میں لکھا ہے: ''ضیاء معمولی شاعر نہیں۔ وہ بات بہت بلندی سے کہتے ہیں۔ مبارک ہے ملک جس نے ایسا بلند پایہ شاعر پیدا کیا۔ مبارک ہے وہ استاد جسے ایسا قابل شاگرد ہاتھ آیا اور مبارک ہے وہ شاعر جس نے ایسے لطیف و پاکیزہ زبان، نادر انداز بیان اور فنکارانہ دماغ پایا''

نمونہ کلام:

اخلاق کی تعلیم ہے عرفان محمدؐ — توحید کا دریا مے عرفان محمدؐ
ملتی ہے یہاں روح کو برنائی و تسکین — ہے سایۂ حق سایۂ دامان محمدؐ
دام ہوس و حرص سے ہوتے ہیں جو آزاد — ملتا ہے انھیں منصب خاصان محمدؐ
گھٹتی گئی کوتاہی چشم و دل انساں — بڑھتی ہی گئی شوکتِ ذی شان محمدؐ
پردے ابھی آنکھوں پہ جہالت کے پڑے ہیں — پائے کوئی کیسے در فیضان محمدؐ
لکھی گئی دنیا میں ضیاؔ نور نبی سے — انسان کی تاریخ بعنوان محمدؐ

....

جگایا تو نے اقوام عرب کو خواب غفلت سے — کیا آزاد عقل و ہوش کو دام جہالت سے
سبق توحید کا ہر روح کو ازبر ہوا آخر — ترے ہمراہ دنیا ہوگئی تیری صداقت سے
رسالت درحقیقت جسم کا جاں سے تعلق ہے — کسی کو کسطرح انکار ہو تیری رسالت سے
یہ راز زندگی روشن کیا تو نے زمانہ پر — کہ بنتا ہے مکمل آدمی حق کی عبادت سے

اگر تیرے اصولوں پر رہے امت تری قائم　　　کوئی امت نہیں بڑھ کر جہاں میں تیری امت سے

طرز لکھنوی۔ گنیش بہاری:

گنیش بہاری ریڈیو آرٹسٹ جناب رادھے بہاری شری واستو کے فرزند جناب گنیش بہاری کا آبائی وطن لکھنؤ ہے۔ آپ کی ولادت لکھنؤ کی مذہبی ماحول میں ہوئی۔ ۱۹۴۳ء میں میٹرک کیا اور ۱۹۴۶ء میں محکمۂ سپلائی میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی ۱۹۴۹ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے بی، اے کیا۔ اور اسی سال پراپرٹی انسپکٹر ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں ایل ایل بی کیا اور اسٹنٹ کسٹوڈین (جوڈیشیل) کے فرائض جونپور میں سنبھالے۔ ۱۹۵۹ء میں کسم جی سے شادی کی جن کا ۲۸ رفروری ۱۹۸۷ء کو انتقال ہوگیا۔ گنیش بہاری نے اپنی زندگی کی دھوپ چھاؤں میں مسلسل ترقی کا سفر جاری رکھا اور ۱۹۸۶ء میں اعلیٰ عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

ڈاکٹر ظ۔ انصاری فرماتے ہیں: ''جب طرزؔ اپنا کلام سناتے ہیں تو خیال گذرتا ہے کہ الفاظ اور آواز یک جان ہیں۔'' یہی بات قرۃ العین حیدر نے کہی ہے: ''کلام طرزؔ ساز اور آواز کیلئے نہایت مناسب ہے۔'' خواجہ احمد عباس نے اپنے ایک مضمون میں جناب طرز کی شاعری کو سراہتے ہوئے تحریر کیا ہے: ''فراقؔ کے مرحوم ہوجانے کے بعد غیر مسلم شعرا میں آپ نے فراقؔ کی جگہ لی ہے۔'' پروفیسر ممتاز حسین نے اسی پہلو پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے: ''میں نے محسوس کیا ہے کہ جو وارفتگی اور شگفتگی طرز کے کلام میں ہے وہ یا تو کچھ انہی سے مختص ہے یا پھر فراقؔ سے ہم آواز ہوتی ہے۔'' جناب طرز لکھنوی کے فن اور شخصیت پر 'فن اور شخصیت' بمبئی نے جنوری میں ایک خصوصی نمبر شائع کیا ہے جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے اور جس کے مرتبین پروفیسر گوپی چند نارنگ اور صابر دت ہیں۔

نمونۂ کلام:

خلوص و جذب دل نذر عقیدت لے کے آئے ہیں　　　گنہگار محبت ہیں محبت لے کے آئے ہیں

در رحمت پہ حاضر ہیں تمہارے چاہنے والے
بڑی حسرت سے امید شفاعت لے کے آئے ہیں

یہی بس چند آنسو ہیں یہی بس چند آہیں ہیں
ملی ہے جو زمانے سے وہ دولت لے کے آئے ہیں

مجھے بھی صبر کی طاقت عطا ہو یا رسول اللہ
سنا ہے آپ دکھیوں کی ضمانت لے کے آئے ہیں

پڑھو اب طرز وہ مطلع کہ جس سے روشنی پھیلے
محبت وہ بھی کر بیٹھے جو نفرت لے کے آئے ہیں

ہے جس پر ناز عالم کو وہ رحمت لے کے آئے ہیں
محمد حق سے اقرار شفاعت لے کے آئے ہیں

لباس فقر ہے تن پر مگر قدموں میں ہے شاہی
نرالے ڈھنگ کی شان حکومت لے کے آئے ہیں

ہزاروں کی پرستش محو کردی ایک سجدے میں
عجب انداز کی طرز عبادت لے کے آئے ہیں

اجالا حشر تک اس کے سوا کوئی نہ پھیلے گا
محمد آخری شمع نبوت لے کے آئے ہیں

محمدؐ سے محبت کیوں نہ ہو اے طرزؔ تجھ کو بھی
وہ سب کے واسطے دست شفاعت لے کے آئے ہیں

ظفرؔ سونی پتی۔ بدھ راج:

جناب ظفر سونی پتی بدھ راج نہایت مخلص شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ کا تعلق ٹھاکر گھرانے سے ہے۔ ۱۳ر اگست ۱۹۲۳ء کو پاکستان کے قصبہ سلطان تحصیل علی پور ضلع مظفر گڑھ پیدا ہوئے۔ مڈل تک ہی تعلیم حاصل کر پائے تھے کہ بھارت کے شہر سونی پت منتقل ہو گئے۔ شاعری کا شوق بچپن سے ہی ہے۔ آپ غلام حسین رئیسؔ نیازی اور دیوی دیال آتشؔ بہاولپوری سے اصلاح سخن لیتے ہیں۔ موصوف شعری محفلوں میں شرکت کرتے ہیں اور انھیں اپنے لیے روحانی خوراک کا درجہ دیتے ہیں۔ موصوف کا کلام اکثر رسائل اور جرائد میں چھپتا رہتا ہے اور اکثر آکاش وانی سے بھی نشر ہوتا ہے۔ آپکے کلام میں تصوف کی چاشنی نمایاں ہے اسی لیے اپنے مجموعہ کا نام 'گلستان معرفت' رکھا ہے جو زیر ترتیب ہے۔ مزاجاً بہت سادہ اور طبیعتاً بے نیاز ہیں۔ مطالعہ کے حد شوقین ہیں اور روحانیت سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ نعتیں بھی بہت کہی ہیں جو یکجا کی جائیں تو نعتیہ مجموعہ بن سکتا ہے۔

نمونہ کلام:

زیست نے پایا سکوں اے بندہ پرور آپ سے
ہو گئی ہے میری شام غم منور آپ سے

کیوں نہ ہو میری زباں پر آپ کی مدح و ثنا
ہر خوشی ہے جب مرے دل کو میسر آپ سے

آپ کی تصویر میرے دل کے آئینے میں ہے
کس قدر نزدیک تر ہوں دور رہ کر آپ سے

آپ کے دم سے ہے دنیا میں اجالا ہر جگہ
روشنی لیتے ہیں مہر و ماہ و اختر آپ سے

آپ کے در پر سنور جاتی ہیں تقدیریں ظفر
ہو گئے لاکھوں مقدر کے سکندر آپ سے

....

ہر گھڑی میرے لب پر ہو نام آپ کا
ذکر کرتا رہوں صبح و شام آپ کا

جان و دل سے غلام اس کی دنیا ہوئی
جان و دل سے ہوا جو غلام آپ کا

میری آنکھوں میں ہیں آپ جلوہ فگن
میرے دل میں ہے ہر دم قیام آپ کا

کھل گئے اس پہ فطرت کے اسرار سب
سن لیا جس نے دل سے کلام آپ کا

آرزو ہے یہی وقت آخر ظفر
یاد دل میں ہو لب پر ہو نام آپ کا

عرشؔ ملسیانی۔ بال مکند:

حضرت داغؔ دہلوی کے جانشین مشہور شاعر ادیب جناب بھورام ملسیانی کے فرزند جناب بال مکند ۳۰ر ستمبر ۱۹۰۸ء کو ملسیانی ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ آپ عرشؔ تخلص فرماتے تھے۔ انٹرنس کا امتحان پاس کر کے انجینئرنگ کالج رسول پور سے، ورسیر کی ٹریننگ مکمل کی اور محکمۂ نہر میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۳۰ء میں گورنمنٹ انڈسٹریل اسکول میں معلم بنے جہاں چودہ پندرہ برس خدمات انجام دیں۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے پرائیوٹ طور پر بی اے کیا۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے ملازم ہو کر دہلی آئے جہاں 'آج کل' کی ادارت بھی کی اور یہیں ۱۹۷۹ء میں انتقال کیا۔ جناب

عرشؔ ملسیانی کی طبیعت میں سادگی تھی اور مزاج میں خلوص۔ اردو سے گہری محبت رکھتے تھے اور بقول خود ان کے: ''اردو میرا اوڑھنا بچھونا ہے اور اسی کے لیے زندگی وقف کر رکھی ہے۔'' عرشؔ صاحب کی کئی نظمیں مشہور ہوئیں جن میں دورِ آزادی کی افراتفری، خونریزی اور خلفشار کی عکاسی کی گئی ہے۔ جناب عرشؔ ملسیانی نے اپنی نعتیہ شاعری میں رحمت اللعالمین سے اپنی نیاز مندانہ وارفتگی کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین اشفاقؔ نے عرشؔ ملسیانی کی نعتیہ شاعری کی خوبیوں کا اظہار کیا اور ان کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے۔ ''عرشؔ ثنائے محمدی کے لیے اکثر چھوٹی ترنم ریز بحریں اختیار کر کے بیان میں روانی پیدا کرتے ہیں اور کیف آور موسیقیت کا سماں باندھتے ہیں۔ مضمون کی شگفتگی اور الفاظ کی صوتیت سننے والے کیلئے مزید لطف کا سامان مہیا کرتی ہے۔ عرشؔ کی نعت گوئی پر خلوص و پر اثر ہے اور دل کی آویزیوں سے مالا مال ہے وہ اپنے کلام کو باطنی کیفیت سے جاندار بنا کر روح کی تازگی کا سامان مہیا کرتے ہیں وہ مختلف الفاظ اور دلکش ترکیبوں کے مضمون کو دلنشیں بنا دیتے ہیں۔'' جناب عرشؔ ملسیانی کے دو شعری مجموعے 'ہفت رنگ' اور 'چنگ و آہنگ' شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کے مزاحیہ مضامین کا ایک مجموعہ 'پوسٹ مارٹم' بھی منظر عام پر آیا ہے۔ آپ کا نعتیہ مجموعہ 'آہنگ حجاز' مطبوعہ ۱۹۵۳ء کا پیش لفظ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے تحریر فرمایا ہے۔ مولانا نے اس میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

''مسلموں اور غیر مسلموں کو ملا کر جو بھی مختصر فہرست منتخب نعت گو شعرا کی تیار کی جائے گی یقین ہے کہ ذوق سلیم اس میں بھی ایک جگہ ان کے لیے مخصوص رکھے گا۔''

نمونۂ کلام:

حامل جلوۂ ازل پیکر نور ذات تو — شان پیمبری سے ہے سرور کائنات توٗ
فیض عمیم سے ترے قلب و نظر کی وسعتیں — مومنِ حق پرست کا حوصلۂ نجات توٗ

تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خون ہر بشر　　حسن نمود زندگی، رنگ رخ حیات تو
عقدہ کشائے این و آن نور قضائے ہر مکاں　　قبلۂ اہل دل ہے تو رونق شش جہات تو
شان بشر کا منتہا خالق دہر کا حبیب　　مرد خدا پرست کا آئینہ حیات تو
مورد التفات ہم تیری ناز شات سے　　ذات خدائے پاک سے وقف نوازشات تو
قلب و نظر کے راز سب دہر پہ منکشف ہوئے　　روح جہانِ راز کو جان مکاشفات تو
مدح سرائے مصطفٰے ہے تو عمل بھی چاہیئے　　عرش جو ہو سکے تو عزم میں پر ثبات تو

....

معطر فضا مست ساری خدائی　　صبا مشک افشای مدینے سے آئی
یہ امی پیمبر کا جوش فصاحت　　بشر کی شانِ حقیقت نمائی
وہی نور نور آفریں ہر جگہ ہے　　عرب میں ہوئی جس کی جلوہ نمائی
امید شفاعت پہ جیتا رہا ہوں　　مری عمر بھر کی یہی ہے کمائی

....

رخ مصطفٰے کا جمال اللہ اللہ　　زباں کا وہ حسن مقال اللہ اللہ
جہاں کے لیے مژدۂ عید عرفاں　　عرب کے فلک کا ہلال اللہ اللہ
اتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے　　نبوت کا اوج کمال اللہ اللہ

....

زمانے بھر میں مسلم پیمبری ہے تری　　جو نقش قلب جہاں ہے وہ برتری ہے تری
کمالِ اوج بشر ہے تیری ذات میں ہے　　بلند قیصر و خاقاں سے قیصری ہے تیری
جسے دوام میسر وہ تیری دارائی　　نہیں زوال جسے وہ سکندری ہے تیری

فراقؔ گورکھپوری۔ رگھوپتی سہائے:

رگھوپتی سہائے فراقؔ گورکھپوری منشی گورکھ پرشاد عبرت کے صاحبزادے اور گورکھپور کے باشندے تھے۔ ۲۸/اگست ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیمی لحاظ سے ایم اے کیا اور مختلف کالجوں میں پروفیسر رہے۔ شعر و سخن کا ذوق بچپن سے تھا۔ فن شعر میں ناصری مرحوم، سید محمد عسکری اور نسیم خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ آپ کی غزلوں میں امیر مینائی کا رنگ نمایاں ہے۔

غزل گو شعرا میں ان کا درجہ بہت بلند ہے بلکہ غزل میں نئی طرز کے موجد ہیں۔ آپ کا شمار بڑے ناقدین میں ہوتا ہے۔ 'اندازے' آپ کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ 'رمز و کنایہ' شبستان، روح کائنات، روپ، مشعل شعلہ ساز آپ کے کلام کے مجموعے ہیں۔ فراقؔ گورکھپوری ۳/مارچ ۱۹۸۲ء کو دہلی میں انتقال کر گئے۔ آپ کے درج نعتیہ اشعار تقریباً تمام نعتیہ تذکروں اور نعتیہ انتخاب میں ملتے ہیں۔

انوار بے شمار معدود نہیں رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمد کا مقام وہ امت اسلام میں محدود نہیں

فلکؔ۔ لالہ لال چند:

لالہ لال چند فلکؔ کھتری قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے۔ جوہرؔ دیو بندی نے اپنے تذکرے میں مقام پیدائش حافظ آباد ضلع گجرانوالہ (پاکستان) لکھا ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ملتان لکھا ہے۔ جوہر صاحب نے آبائی شہر لاہور بتایا ہے۔ ملتان میں اردو شاعری کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے لاہور میں ملازمت اختیار کی تھی۔ فلکؔ صاحب بچپن ہی میں سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے۔ غریب خاندان کے فرد تھے۔ بڑے بھائی نے پرورش کی اور

انٹر میڈیٹ تک تعلیم بھی دلوائی۔ تقسیم ہند کے وقت بھارت نہ جا سکے بلکہ ۱۹۴۹ء میں ہجرت کی اور کانپور میں ملازم ہوئے۔ آپ کی شادی لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ ۱۹۵۰ء میں بھوپال میں جا بسے۔ بھوپال ہی میں عمر کا آخری حصہ گذرا مگر آپ کی وفات ۱۹۶۷ء کو دہلی میں ہوئی۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ بہت دن ناطق جالندھری اور کشفی ملتانی کی وجہ سے اس شوق کو جلا ملی۔ آپ نے کشفی ملتانی سے اصلاح لی مگر جوہر دیو بندی نے دوارکا پرشاد افق لکھنوی کا شاگرد بتایا ہے۔ فلک صاحب قوم پرست اور تحریک آزادی کے سرگرم کارکن رہے جس کی وجہ سے کالے پانی تک کی سزا ہوئی۔ پر جوش مقرر اور کئی کتابوں کے مصنف گذرے ہیں۔ ناشر نقوی نے اپنی تصنیف میں تحریر کیا ہے کہ: ''وہ مستند شاعر ادیب اور صحافی تھے۔'' آپ کی نظم و نثر میں بیس کتابیں ہیں۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد نے اپنے تحقیقی مقالہ، اردو شاعری میں نعت میں تحریر کیا ہے: ''لال چند فلک ہندو مسلم اتحاد کے زبردست علمدار تھے۔'' آپ نے منبع نعت کی شان اقدس میں بھی اپنے قلم کو استعمال کیا ہے۔ آپ کی نعتیہ کاوش میں تاریخی رنگ غالب ہے۔

نمونۂ کلام:

نغمۂ وحدت حق دہر میں گایا تو نے — کملی والے یہ عجب گیت سنایا تو نے
رب بے مثل کا دنیا میں بٹھا کے سکہ — نقش اوہام پرستی کا مٹایا تو نے
پڑ گئے ماند سبھی شرکِ خودی کے اختر — مہر توحید کا جلوہ جو دکھایا تو نے
جو شراب اور نشے کے تھے ازل سے مشتاق — مے وحدت کا انھیں جام پلایا تو نے
باہمی نفرت و کینہ تھا وطیرہ جن کا — انس و محبت کا سبق ان کو پڑھایا تو نے
خواب غفلت میں پڑے سوتے تھے مکی مدنی — لب اعجاز سے 'قم' کہہ کے اٹھایا تو نے
ریت کے ذروں کو بارود کی طاقت بخشی — خاک نا-چیز کو اکسیر بنایا تو نے

کردیا ایک شہنشاہ و گدا کا رتبہ　　اونچ اور نیچ کا سب فرق مٹایا تونے

قاصؔر۔ برہم ناتھ دت:

موہیال برہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد چودھری گوراں تامل دت صاحب ذی علم بزرگ تھے۔ قاصؔر صاحب کی ولادت ۱۴؍ ستمبر ۱۸۹۱ء کو ضلع گورداسپور میں ہوئی۔ تعلیم حاصل کی، ملازمتیں بھی کیں اور کاروبار بھی۔ شعر گوئی انھوں نے ۱۹۰۷ء سے شروع کی ۱۹۱۲ء میں جامع کمالات حکیم فیروز الدین فیروؔز کے شاگرد ہوئے۔ شعر و ادب کے ساتھ سیاست میں بھی سرگرم تھے۔ سیاسی تحریک کے زمانے میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور عملی انسان ثابت ہوئے۔ بے حد ذہین اور وسیع المطالعہ شخص تھے۔ ان کی یادگار کتابوں میں ڈال ڈال پات پات، مکتوبات، پرچم ضیاء، جوہر پارے، برگ و بار، اہل سیف، ہومر، میرا بائی اور ذکر و فکر ہیں۔ حکومت ہند نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں پدم شری کے اعزاز سے نوازا۔ قاصؔر ۲۵؍ نومبر ۱۹۷۵ء کو انتقال کر گئے۔ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر وشنو ناتھ گوزد کشمیر یونیورسٹی میں تاریخ اور سوشل سائنس کے ڈین رہے۔

نمونۂ کلام:

زہے عزت و قدر و شان محمدؐ　　جہان خدا ہے جہاں محمدؐ
کھلی قاب قوسین سے یہ حقیقت　　مکان خدا ہے مکانِ محمدؐ
نہ ہوگی قیامت تلک ختم ہرگز　　حلاوت اثر داستانِ محمدؐ
بہار ازل بوستان ابد ہے　　کتاب خدا ارمغان محمدؐ
رواں تھا رواں ہے رواں ہی رہے گا　　قیامت تلک کاروانِ محمدؐ

قربان۔ ڈی اے ہیرسن:

عیسائی رہنما جناب ڈی اے ہیرسن مشہور پادری اے ہیرسن کے فرزند ہیں۔ حسن پور ضلع مراد آباد میں ۱۹/ مارچ ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ آپ ایم۔ اے۔ اردو، ایم۔ اے۔ انگریزی، بی، ٹی، کامل الہ آباد ہیں۔ درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ آپ کی مطبوعہ کتب میں شیکسپیر کی کہانیاں، مثنوی داستان حب مسیح جہاں، فکر حسین، اردو کے مسیحی شعرا، حرف آرزو، صلیب کا درد، تصویر غالب اور سلگتے خواب شامل ہیں۔ دو مزید کتب تراجم پر مشتمل ہیں۔ جناب قربان محبوب علی خاں اختر فیروز پوری، علامہ متور لکھنوی، پادری ایس ایس ریحانی لکھنوی، علامہ طرفہ قریشی لکھنوی علامہ رتن پنڈوری اور حضرت بخشی امرتسری سے مشورہ سخن کیا ہے۔

نمونہ کلام:

سنی جس کسی نے صدائے محمدؐ — ہوا قلب و جاں سے فدائے محمدؐ
مجھے لے چلو اب مدینے میں یارو — وہاں مل رہی ہے ہوائے محمدؐ
مٹی تیرگی جہالت جہاں سے — جو پھیلی عرب سے ضیائے محمدؐ
اٹھوں گا نہ اب آستانِ نبی سے — رہوں گا سدا میں گدائے محمدؐ
بچائیں گے امت کو محشر میں وہ ہی — وہاں دیکھ لینا وفائے محمدؐ
سر عرش ان کو خدا نے بلایا — کچھ ایسی تھی دلکش ادائے محمدؐ
پسند آئے ان کو بھی قرباںؔ جب ہے — جو میں کر رہا ہوں ثنائے محمدؐ

قیس جالندھری۔ امر چند:

داغ دہلوی کے دبستان شاعری کے نمائندے، بزرگ شاعر، ادیب اور صحافی جناب قیس جالندھری کا اسم گرامی امر چند ہے۔ آپ فخر جالندھر پروفیسر سید محمد علی آزر کی یادگار اور

ابوالفصاحت حضرت جوشؔ ملسیانی کے جانشین ہیں۔ آپ نے اردو، ہندی اور پنجابی کے علاوہ فارسی اور انگریزی میں بھی بے تکلفی سے جولانئ طبع کے جوہر دکھائے ہیں۔ ایک سو سے زائد کتابیں تحریر کر چکے ہیں جن میں سے بیشتر مالی پریشانیوں کی وجہ سے منظرِ عام پر نہ آسکیں۔ آپ نہایت زود گو ہیں۔ اب تک ایک لاکھ سے زائد اشعار کہہ چکے ہیں زبان و بیان پر مکمل عبور رکھتے ہیں اور شعری قواعد و اصول کے پابند ہیں۔ آپ کا حلقۂ تلامذہ بھی وسیع ہے۔ شاگردوں کی بڑی تعداد غیر ممالک میں مقیم ہے۔ علامہ قیس جالندھری کی گولڈن جوبلی منائی جا چکی ہے۔ حکومت پنجاب اور بھارت نے آپ کو ۱۹۸۱ء میں سرکردہ اردو شاعر کا ایوارڈ دیا ہے۔ 'پروازِ ادب' نے قیس جالندھری کے فکر و فن پر ایک خاص نمبر بھی شائع کیا ہے۔ مجاہد آزادی قیس جالندھری بیک وقت کئی ادبی رسائل و جرائد کو مرتب کرتے رہے ہیں۔ ۸۸ سال کی عمر میں بھی ادبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کا نعتیہ مجموعۂ کلام 'رسول درشن' زیرِ ترتیب ہے۔ علامہ قیسؔ جالندھری کو نعت سے فطری لگاؤ ہے۔ رسالتمآب میں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار انھوں نے قطعہ، رباعی اور نظم میں بھی کیا جن میں جذبات کی پاکیزگی بھی ہے اور شعری محاسن کی عکاسی بھی۔ اسلامی تعلیمات سے آگاہی اور سیرت طیبہ کے مطالعے نے آپ کی نعتیہ شاعری کو مستحکم بنیادیں فراہم کی ہیں۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی آپ کے نعتیہ کلام کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

نمونۂ کلام:

کچھ ایسے فیض کے دریا بہا دیئے تو نے — جہاں تھے خار وہاں گل کھلا دیے تو نے
بتوں کے فسانہ بنا دیے تو نے — دلوں پہ سکے خدا کے جما دیے تو نے
حیات سادہ کے اسباق دے کے عالم کو — تکلفات کے پردے ہٹا دیے تو نے
دلوں سے مٹ کے رہے سب نقوش تیرۂ کفر — ضیائے دیں کے دیئے وہ جلا دیے تو نے

وہ ابرِ فیض نعیم بھی ہے نسیم رحمت شمیم بھی ہے
شفیق بھی ہے خلیق بھی ہے رحیم بھی ہے کریم بھی ہے

وہ معنئ حسنِ آفرینش نظر نواز اہل بینش
حبیب رب جلیل بھی ہے جمیل بھی ہے سلیم بھی ہے

وہ علم وعرفاں کا ہے مدینہ، خزینۂ رازاس کا سینہ
وہ پیکر نور سرمدی ہے وہ حسن خلق عظیم بھی ہے

وہ حامل وصاحب شریعت وہ مرشد وہادئ طریقت
معلم معرفت بھی ہے اور رموز حق کا علیم بھی ہے

ہوا جو یثرب سے آرہی ہے ہر اک کلی کو کھلا رہی ہے
یہی ہوا ہے نسیم رحمت، یہی لطافت شمیم بھی ہے

جناب موسیٰ کلیم تھے میں بھی مانتا ہوں کلیم انکو
مرے پیمبر کا ہے یہ رتبہ جلیس بھی کلیم بھی ہے

یہ آپ کے قیس کا ہے ایماں حضور ہیں رہنمائے انساں
حضور کا جو نہیں ہے قائل شقی بھی ہے اور لئیم بھی ہے

کرشن موہن۔ کرشن لال موہن:

کرشن موہن ۲۸ رنومبر ۱۹۲۲ء کو شہرِ اقبالؒ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ایم اے انگریزی ہیں۔ حکومت ہند کے شعبۂ مالیات سے متعلق رہے ہیں۔ آپ کی شاعری میں روانی اور معنی آفرینی کے جوہر پائے جاتے ہیں۔ آپ کی غزلیات کے مجموعے، شبنم شبنم، دلِ ناداں اور تماشائی شائع ہوکر مقبول ہوئے ہیں۔ نعت گوئی کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔

نمونۂ کلام:

میمنت آگیں ہے نام مصطفیٰ
ہے پیام حق پیام مصطفیٰ

ہیں سلاطین بھی غلام مصطفیٰ
ہے یہ شان و اہتمام مصطفیٰ

اہل ظلمت ہو گئے زار و زبوں
تھا وہ تزک و احتشام مصطفیٰ

کیوں نہ اس کا نام ہو ہر دلعزیز
ہے ہر اک میں قیام مصطفیٰ

اہل دنیا پہ کھلا معراج سے
کتنا ارفع ہے مقام مصطفیٰ

ایک ہوں کیوں کر نہ محمود و ایاز
ساغر وحدت ہے جام مصطفیٰ

کر رہے ہیں اس کی عظمت کے سبب برہمن بھی احترام مصطفےٰ
بے گماں اے کرشن موہن ثبت ہے قلب گیتی پر دوام مصطفےٰ

کوثریؔ۔ دلورام:

مشہور نعت گو شاعر محترم دلورام خلف جناب بھورارام قصبہ تانڈری ضلع حصار (ہریانہ) میں ۱۹۲۹ء بکرمی میں پیدا ہوئے۔ معزز وشنوی قوم کے فرد اور پیشہ زراعت سے وابستہ تھے۔ آپ کے آبا واجداد کا سلسلہ حسب ونسب چوہان خاندان کے راج پوتوں سے ملتا ہے۔ موزوں طبع تھے شاعری کے ذوق نے انٹرنس سے آگے تعلیم حاصل کرنے نہ دی اور شعر گوئی میں منہمک ہو گئے۔ کوثریؔ تخلص پسند کیا۔ لاہور میں ایک عالم فاضل سے عروض پڑھنا شروع کیا۔ دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا مگر طبیعت سیر نہ ہوئی اور شہر مسمانہ ریاست پٹیالہ پہنچے جہاں ایک عالم سید عنایت علی، مجتہد عصر کی خدمت میں دس بارہ برس رہ کر متعدد فارسی، اردو علم عروض وفن شعر کی کتابیں پڑھیں اور ۲۹ ر سال کی عمر میں بعد تحصیل فن شعر وادب وطن واپس آئے۔ ابتدا میں غزل لکھتے رہے مگر بقول خودان کے: ''بعد ازاں جب زمانے کا رنگ دیکھا تو طرز شاعری کو بدلا اور اسلامی روایات پر بے شمار نظمیں لکھیں۔'' آپ نے حیدر آباد دکن بھوپال، بہاولپور، رام پور اور پٹیالہ کے درباروں میں نظمیں پڑھیں۔ ریاستوں میں مہمان رہے اور والیان ریاست سے انعامات حاصل کیے۔ حیدر آباد میں مہاراجہ سرکشن پرشادان کے بڑے مداح تھے۔ مہاراجہ موصوف نے اپنے قلم سے یہ شعر لکھ کر دیا:

ہے سخن گوئی میں مرد منتخب کوثری بھی انوری سے کم نہیں

وقتاً فوقتاً آپ کا کلام اخبار و رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ اکثر رسائل میں آپ کے نام کے ساتھ 'فردوسیِ ہند' اور 'قادر الکلام' کے خطابات بھی رقم ہوتے تھے۔ دلورام کوثریؔ کی تصانیف خودان کے قول کے مطابق بہت ہیں۔ آپ کا ایک نعتیہ مجموعہ 'گلشن نعتِ کوثریؔ' مقبول عام ہوا ہے۔ یہ ایک

تاریخی نام ہے اور اس کے اعداد کے مطابق ۱۳۵۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ مجموعہ ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں دلورام کوثریؔ کے خود نوشت حالات بھی ہیں۔ کوثری نے نعت بند کاشی کو بزبانِ فارسی تضمین کیا ہے اور حافظ شیرازی کی بعض غزلیات بھی فارسی میں تضمین کی ہیں۔ اپنے آخری دور میں صرف اردو زبان میں شعر کہتے رہے۔ آپ نے ایک دیوان غیر منقوطہ ردیف وار ''محمد و آل محمد'' کی مدح میں لکھا ہے۔ جس میں اپنا نام دلورؔام بجائے تخلص نظم کیا ہے جو قدرتی طور پر غیر منقوطہ ہے۔ فرماتے ہیں:

''چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ میں ایک شاعر ہوں گا اور بے نقط شعر بھی کہونگا اس لیے میرے والدین کی زبان سے میرا نام دلورام غیر منقوطہ رکھوا دیا۔''

آپ نے شاعری میں کسی سے تلمذ حاصل نہیں کیا۔ اپنے تخلص کے بارے میں فرماتے ہیں:

''کوثریؔ تخلص میں نے خود دہلی میں برف کی سرائے کے سامنے ٹہلتے ہوئے سوچا تھا یہ تخلص نیا ہے۔ فردوسی کا ہمسایہ ہوں۔ فردوس اور کوثر آس پاس ہیں مگر فردوسیؔ کے بعد کوثریؔ تخلص کس کو نہ سوجھا۔''

اپنے عاشق رسولؐ ہونے کے بارے میں بتاتے ہیں:

تھا مجھے عشق محمد جب کہ یہ عالم نہ تھا بس خلا ہی تھا خلا حوا نہ تھی آدم نہ تھا
برہم و درہم مرقعِ جہانِ ہیچ کا بادشاہ کوئی نہ تھا اور سکہ درہم نہ تھا
کوثریؔ اس وقت بھی تھا مجھ کو عشق مصطفیٰ آج کل جیسا ہے عاشق ایسا ہی تھا کچھ کم نہ تھا

تقریباً تمام تر محققین نعت نے آپ کے نعتیہ کلام کی خصوصیات آپ کے جذبۂ عقیدت و محبت اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے شوق وارفتگی پر اظہار خیال کیا ہے۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ اپنے تحقیقی مقالے میں فرماتے ہیں:

''کوثری کے نعتیہ کلام میں زیادہ تر داخلی جذبات کا اظہار ہے، جس میں تغزل کا رنگ غالب ہے۔ وصف محمدی میں اشعار کم کہے ہیں، ذاتی عقیدت مندی نے محبت اور عشق کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور یہ مضامین جا بجا نکلتے ہیں۔ ہجر کی بے قراری ہے، وصال کی تمنا ہے، غریب الدیاری کی شکایت ہے، عشق کے ہاتھوں ستائے جانے کا گلہ ہے، اپنی مجبوری اور بے کسی کا اظہار ہے۔ نظر عنایت کی خواستگاری ہے۔ شاعر شروع سے آخر تک بس ایک عشق محمدی کا دم بھرتا ہے۔''

ممتاز محقق ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی رائے کا اظہار 'اردو کی نعتیہ شاعری' میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''دلورام کوثریؔ نے نعت گوئی میں زبان و بیان کی ہنر مندیاں دکھائی ہیں۔ کوثریؔ کے نعتیہ کلام کی سب سے بڑی خصوصیت زبان کی سادگی اور جذبات کی پاکیزگی ہے۔ ان کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ نعت گوئی ان کی ذہنی کاوش یا محض محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے دل کی آواز اور ان کی طبع شاعرانہ کی فطری جولان گاہ تھی۔ اسی لیے ان کی سادگی ایک طرح کی پُرکاری لیے ہوئے تھی۔''

ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے میں دلورام کوثریؔ کے شعری محاسن کا یوں تجزیہ کیا ہے:

''دلورام کوثریؔ کے موضوعات نعت میں اس امر کا اظہار بکثرت ملتا ہے کہ وہ ہندو ہیں اور ان کا تعلق اس دین و مذہب سے نہیں ہے جسے پیغمبر اسلام نے پیش کیا۔ اس احساس محرومی کے باوجود ان کے لب و لہجہ میں آنحضرت کی

رحمت العالمینی محبت وشفقت اور آپ کے حلیم و درگذر کا مکمل یقین ہے۔یہ یقین ان کی نعتیہ شاعری میں اتنا راسخ نظر آتا ہے کہ ان کے لب ولہجہ پر ہندو ہونے کا گمان تک نہیں ہوتا۔کوثرؔی کی نعت پر غزل اور تغزل کے اثرات نمایاں ہیں۔"

'تذکرۂ نعت گویان اردو' کے مصنف پروفیسر سیّد یونس شاہ فرماتے ہیں:

"ان کی نعتیہ شاعری جذبات عالیہ اور خلوص ومحبت میں وابستگی کی عمدہ مثال ہے۔ان کی زندگی اسی کاوش اور فکر میں بسر ہوئی چنانچہ اس میدانَ خاص میں انھوں نے جوہر دکھائے ہیں کہ شاذ ونادر کسی اور کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہوگا۔"

آپ کے فکروفن سے متاثر ہوکر پیر جماعت علی شاہ علی پوری نے آپ کو 'حسان الہند' کا خطاب عطا کیا تھا۔اکثر تذکرہ نگار چودھری دلورام کو ہندو ہی لکھتے ہیں۔مگر بعض نے ان کے ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔مثلاً پروفیسر سید یونس شاہ تحریر فرماتے ہیں:

"رسول خدا کی نعت گوئی آخر کار رنگ لائی اور دلورام کوثرؔی سے کوثر علی کوثرؔی بن گئے۔ممدوح نے مداح کو اپنی طرف کھینچ لیا۔"

پروفیسر ممتاز حسین کہتے ہیں:

"آخری عمر میں کوثر علی کوثرؔی ہوگئے تھے۔"

پروفیسر خالد بزمی فرماتے ہیں: "آخر انھوں نے اسلام قبولکر لیا اور کوثر علی کوثرؔی ہوگئے۔" ظہیرالدین احمد قریشی 'گلبنِ نعت کوثری' میں عرض حال کے عنوان سے لکھے گئے مضمون میں لکھتے ہیں:

"دس بارہ سال پیشتر جبکہ اخبار 'نجات' بجنور جاوی اور میں اس کا خریدار تھا۔ایک نہایت جاذب توجہ تحریر بصارت افروز ہوئی تھی کہ جناب چودھری

دلو رام صاحب کوثری فلاں سن، ماہ اور تاریخ میں فلاں بزرگ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا اسم مبارک عبدالرحمٰن رکھا گیا اس نوید جانفزا سے دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو خدا انھیں استقامت بخشے اور ہمیں ان کی برداری کا شرف عطا کرے آمین!''

ممتاز محقق راجا رشید محمود نے اس پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ آقا حضور ﷺ کے مدح سرا آخری عمر ۱۹۲۹ء میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔''

ڈاکٹر سید صفدر حسین کہتے ہیں:

''بالآخر ۱۹۲۹ء میں انھوں نے سید حبیب مدیر 'سیاست' لاہور کو حیدر آباد دکن سے ایک خط لکھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ وہ یوں کہ میں نے تمام ادیان و مذاہب کی تحقیق کے بعد خوب اچھی طرح معلوم کر لیا ہے کہ خدا کا آخری اور سچا مذہب اسلام ہے۔ مجھے حقانیت اسلام کا حق الیقین ہو چکا ہے اسلئے سر عجز و نیاز خدائے بے نیاز کے آگے امت رسول کو گواہ بنا کے جھکانا چاہتا ہوں۔''

چودھری دلو رام کوثری نے کوثر علی کوثری ہو کر ۲۸ ردسمبر ۱۹۳۱ء کو گیارہ بجے قبل دوپہر سرائے محمد شفیع واقع انار کلی، لاہور میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرمایا۔ مرحوم نے دو خرد سال لڑکیاں اور ایک لڑکا کاظم علی اپنی یادگار چھوڑے۔ آپ کی نماز جنازہ مولوی حفظ الرحمٰن نے پڑھائی اور میانی صاحب میں سپرد خاک کیا گیا۔

نمونہ کلام: ہندو ثنا خوان مصطفیٰ

ہندو سمجھ کے مجھ کو جہنم نے دی صدا میں پاس جب گیا تو نہ مجھ کو جلا سکا
بولا کہ تجھ پہ کیوں مری آتش ہوئی حرام کیا وجہ تجھ پہ شعلہ جو قابو نہ پا سکا

کیا نام ہے، تو کون ہے، مذہب ہے تیرا کیا
حیراں ہوں میں، عذاب جو تجھ تک نہ جاسکا
میں نے کہا کہ جائے تعجب ذرا نہیں
واقف نہیں تو میرے دل حق شناس کا
ہندو سہی مگر ہوں ثنا خوانِ مصطفیٰ
اس واسطے نہ شعلہ ترا مجھ تک آسکا
ہے نام دلو رام تخلص ہے کوثریؔ
اب کیا کہوں بتادیا جو کچھ بتا سکا

....

محشر میں دی فرشتوں نے داور کو یہ خبر
ہندو ہے ایک احمد مرسل کا مدح گر
ہے بت پرست اگرچہ وہ لیکن ہے نعت گو
احمدؐ کی نعت لکھتا ہے دنیا میں بیشتر
ہے نام دلو رام تخلص ہے کوثریؔ
لے جائیں اس کو خلد میں یا جانبِ سقر
سنتے ہی ملائکہ سے یہ انوکھی بات
فرمایا ذوالجلال نے جنت ہے اس کا گھر
اللہ اکبر احمد مرسل کا یہ لحاظ
کی حق نے لطف کی سگِ دنیا پہ بھی نظر

....

ہم مرد ہیں اور عشق ہے مردانہ ہمارا
محبوب الٰہی سے ہے یارانہ ہمارا
محشر میں بچالیں گے نبیؐ مجھ کو یہ کہہ کر
چھیڑو نہ اسے یہ تو ہے دیوانہ ہمارا
کیا اے فلک پیر ترا خوف کریں ہم
باہر تری گردش سے ہے کاشانہ ہمارا
کندن ہے وہی کوثریؔ جو خاک میں دیکھے
اس واسطے ہے بھیس فقیرانہ ہمارا

....

درجہ ہے سب رسولوں سے بڑھ کر رسول کا
ثانی کوئی نہیں پسِ داور رسولؐ کا
کہتے ہیں جس کو عرش بریں جملہ قدسیاں
اپنی نگاہ میں ہے وہ منبر رسولؐ کا
امی لقب اگرچہ تھا اس شاہ کا مگر
تھا صدر علم صدر منور رسولؐ کا
ملک عرب میں روم میں ایران و ہند میں
پھیلا جہاں میں علم سراسر رسولؐ کا

کیوں کوثریؔ مجھے ہو طلب عزّ و جاہ کی ‏ ‏ کیا کم ہے یہ شرف ہوں ثنا گر رسولؐ کا

....

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفیٰ کے ساتھ ہے ‏ ‏ جو نبی کیساتھ ہے وہ کبریا کے ساتھ ہے
کس لیے پھر در پئے آزار ہے اشرار قوم ‏ ‏ اسکا کیا کر لینگے جو خیر الوریٰ کے ساتھ ہے

....

عظیم الشان ہے شانِ محمدؐ ‏ ‏ خدا ہے مرتبہ دانِ محمدؐ
فرشتے بھی کہتے ہیں کہ ہم ہیں ‏ ‏ غلامانِ محمدؐ
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ ‏ ‏ یہی ہے چار یارانِ محمدؐ
علیؓ اور فاطمہؓ شبیر و شبّر ‏ ‏ بسا ان سے گلستانِ محمدؐ
بتاؤں کوثریؔ کیا شغل اپنا ‏ ‏ میں ہوں ہردم ثنا خوانِ محمدؐ

....

مدینے میں مجھ کو بلا یا محمدؐ ‏ ‏ ذرا اپنا کوچہ دکھا یا محمدؐ
مجھے لوگ کہتے ہیں دیوانہ تیرا ‏ ‏ کہوں اور کیا ماجرا یا محمدؐ
نہیں بادشاہوں کی مجھ کو پروا ‏ ‏ تیرے در کا ہوں میں گدا یا محمدؐ
تمہاری بدولت خدا مجھ کو بخشے ‏ ‏ ہو متقبول میری دعا یا محمدؐ
ترا کوثریؔ رہتا ہے ہندوؤں میں ‏ ‏ ہے ظلمت میں آبِ بقا یا محمدؐ

....

نئی نعت لکھوں نیا سال ہے ‏ ‏ کہ نو روز سے جی بھی خوشحال ہے
خدا ہے، محمدؐ ہے اور... آل ہے ‏ ‏ سوا ان کے جو کچھ ہے جنجال ہے

سمندِ قلم کی دم وصف شاہ نئی ہے روش اور نئی چال ہے

......

کچھ عشق پیمبر میں نہیں شرط مسلمان ہے کوثریؔ ہندو بھی طلب گارِ محمدؐ

لکھے کوثریؔ عمر بھر ہم نے نعتیں نہ کچھ اور غم زندگانی میں رکھا

کیفی دہلوی۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ:

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کشمیری پنڈتوں کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ دلی میں ۱۲ر دسمبر ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے آپ کے والد پنڈت کنہیا لال دتاتریہ تھے جن کے انتقال کے بعد ان کے عزیزوں نے کیفی دہلوی کی نگہداشت کی۔ ابتدائی تعلیم مکتب میں پائی اور فارسی میں بھی دسترس حاصل کی۔ ۱۸۸۰ء میں سینٹ اسٹیفن کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اگر چہ اردو فارسی وانگریزی، ہندی اور سنسکرت سے بہ خوبی واقف تھے مگر اردو فارسی اور انگریزی زبانوں پر مکمل عبور رکھتے تھے جناب کیفی دہلوی کی ادبی زندگی کا آغاز شعر گوئی سے ہوا۔ یہ ذوق انھیں اپنے ایک بزرگ پنڈت نارائن داس ضمیرؔ دہلوی سے ورثہ میں ملا تھا۔ آپ نے خواجہ الطاف حسین حالیؔ سے اپنی چند غزلوں پہ اصلاح لی لیکن بعد میں سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ۱۸۸۴ء تک غزل کے روایتی انداز میں شعر کہے لیکن پھر آزادؔ اور حالیؔ کی تحریک کے زیر اثر جدید شاعری کی طرف مائل ہوئے اور نظم نگاری کو ترجیح دیتے ہوئے تمام اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی۔ اس کے ساتھ ہی صحافت میں بھی خدمات انجام دیں۔ لالہ مرلی دھر کے اخبار 'خیر اندیش' انبالہ کے ایڈیٹر رہے۔ کیفی صاحب کی کپورتھلہ کے راجہ دلجیت سنگھ کے دربار سے بھی ایک عرصہ تک وابستگی رہی۔ آپ نے لالہ سری رام کے مشہور تذکرہ 'خم خانۂ جاوید' کی چاروں جلدوں کی ترتیب اور تدوین میں بہترین تعاون کیا۔ کیفی دہلوی ۱۹۴۵ء میں دل کا دورہ پڑنے سے علیل ہوئے اور مختلف بیماریوں میں مبتلا رہنے کے بعد کم

نومبر ۱۹۵۵ء کو غازی آباد (یوپی) میں انتقال کر گئے۔ جناب افتخار امام صدیقی آپ کی علمی خدمات پر اظہارِ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کی ادبی، علمی اور لسانی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے انھوں نے تقریباً ۷۵ سال اردو شعر و ادب اور زبان کی آبیاری کی۔ انھوں نے شاعری میں نت نئے تجربے کئے اور تقریباً نظم کی تمام اصناف میں تجربے کیے۔ اردو میں معریٰ نظمیں کہنے والوں میں بھی جو ابتدائی نام لئے جاتے ہیں ان میں سے ایک نام کیفی کا بھی ہے۔ کیفی اگرچہ بنیادی طور پر ایک شاعر تھے اور اپنی نثری کارناموں کے مقابلے میں اپنی شاعری کو زیادہ اہمیت دی لیکن نثر نگار میں بھی انھوں نے جو اثاثہ اپنے پاس چھوڑا ہے وہ بھی گراں قدر اور وقیع ہے۔ وہ ایک ناول نگار اور ڈرامہ نویس بھی تھے۔ وہ لسانی محقق اور ماہر علم السنہ کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ اردو کے لسانی مسائل، اردو زبان کے قوائد، اصلاح سازی رسم الخط اور املا کے مسائل، اردو زبان کے آغاز اور ارتقاء کے نظریوں کے محققین وغیرہ میں انھوں نے اعتبار حاصل کیا۔ جناب کیفی دہلوی کی تصنیفات سے اس رائے کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ بھارت درپن توزک قیصری، مراری داد، پریم ترنگی، خم خانہ کیفی، تمثیلی مشاعرہ، راج دلاری، نہتارانا، یارواداری، منشورات، دریائے لطافت، جگ بیتی، ہماری زبان، خمسہ کیفی، وارداتِ کیفیہ، اساتیر اردو اور چند نظمیں ان کی تصانیف ہیں۔

نمونہ کلام:

ہو شوق نہ کیوں نعتِ رسول دوسرا کا
مضمون ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا

تھی بعثت محمود خداوند کو منظور
تھا پھل وہ بشارت کا نتیجہ نہ دعا کا

پہنچایا ہے کس اوج سعادت پہ جہاں کو
پھر رتبہ ہو کم عرش سے کیوں غارِ حرا کا

معراج ہو مومن کو نہ کیوں اس کی زیارت
ہے خلد بریں روضۂ پر نور کا خاکا

دے علم یقیں کو مرے رفعت شہ عالم
نام اونچا ہے جس طرح حرا اور صفا کا

یوں روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جیسے
بطحا سے ہوا جلوہ فگن نور خدا کا

ہے حامی و ممدوح مرا شافع اے عالم
کیفی مجھے خوف ہے کیا روز جزا کا

گلشن بریلوی۔ رمیش نارائن سکسینہ:

گلشن بریلوی کا اسم گرامی رمیش نارائن سکسینہ ہے۔ جناب وجے نارائن سکسینہ کے صاحب زادے ہیں۔ ۱۹ر نومبر ۱۹۳۷ء کو بریلوی میں پیدا ہوئے۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ شعری ذوق بچپن سے ہی رکھتے ہیں مگر باقاعدہ شاعری کا آغاز ۱۹۷۲ء سے کیا۔ آپ محترم کشن بہاری نور لکھنوی سے تلمذ کا اعزاز رکھتے ہیں۔ لکھنؤ میں مقیم ہیں۔

نمونۂ کلام:

آنے کو سنسار میں آئے ہیں نبی اور
آیا ہے نہ آئے گا محمدؐ سا کوئی اور

ہو نام نبی لب پہ تصور میں مدینہ
سوچا نہیں کچھ اس کے سوا ہم نے کبھی اور

کیسی ہے عجب چیز یہ صہبائے عقیدت
پیتے رہو اور کہتے رہو اور ابھی اور

میں حشر میں دے دوں گا ثبوت اپنے کہے کا
مجھ سا نہ گنہگار، نبی سا نہ سخی اور

کچھ بات ہی ایسی ہے فسانے میں نبیؐ کے
جتنا بھی سنا چاہ اتنی ہی بڑھی ہے

ہے یوں بھی سکوں بخش مدینہ کا تصور
پہنچے جو مدینے میں تو ہوتی ہے خوشی اور

خالی کوئی پلٹا ہی نہیں در سے نبی کے
ہندو ہو مسلماں ہو سکھ ہو کہ کوئی اور

یاد آتی ہے جب دور سرکار مدینہ
بڑھ جاتی ہے گلشن مری آنکھوں میں نمی اور

......

نبیؐ تک جس نے پہنچایا وہ تھی دیوانگی اپنی
نبیؐ بھی جانتے ہیں دوستو بیچارگی اپنی

لبوں پر روز و شب نام نبیؐ نام محمدؐ ہے
عبادت ہے یہی اپنی یہی ہے بندگی اپنی

پلٹ کر آنے والوں کو جو دیکھا تو ہوئی خواہش　　مدینہ ہم بھی جائے اور بجھائے تشنگی اپنی

اسے دیکھو اسے سمجھو اُسے سمجھو اُسے بوجھو　　کہ جس نے صرف کردی راہِ حق میں زندگی اپنی

خطائیں کرتا ہوں توبہ بھی کرتا ہوں خطاؤں سے　　سبب انکے کرم سے ہوگی گلشن میں سادگی اپنی

محروم۔تلوک چند:

تلوک چند اردو کے مایۂ ناز شاعر گذرے ہیں۔زبان شستہ وہ پاکیزہ، حسنِ ادا اور معنی آفرینی ان کی شاعری کے خاص جوہر ہیں۔آپ بھگت دیال صاحب کے گھر یکم جولائی ۱۸۸۴ء کو گوجرانوالا ضلع کے میاں والی گاؤں (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔بی اے کے بعد آپ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے اسکول میں انگلش ٹیچر اور مکورک میں ہیڈ ماسٹر رہے۔انجمن پنجاب کی تحریک سے متاثر تھے ۱۹۴۴ء میں گولڈن کالج راول پنڈی میں پروفیسر ہو گئے تھے تقسیم ملک کے بعد دہلی چلے گئے وہاں پنجاب یونیورسٹی کیمپس کالج میں لکچرار مقرر ہوئے کچھ دنوں ہفتہ وار 'تیج' کی ادارت بھی کی۔نظم گو کی حیثیت سے بہت مشہور تھے۔ڈاکٹر انور سید فرماتے ہیں:

"کاروانِ وطن، گنج معانی، شعلہ نوا وغیرہ کتابوں میں انھیں ایک ایسی دنیا کی تلاش ہے جو دکھ اور کرب سے آزاد اور امن وآشتی کا مسکن ہو۔"

سید اکبر حسین اکبر آبادی فرماتے ہیں:

ہے داد کا مستحق کلامِ محروم　　لفظوں کا جال معنی کا ہجوم

ہے ان کا سخن مفید و دانش آموز　　ان کی نظموں کی ہے بجا ملک میں دھوم

علم وادب کی خدمت کرتے ہوئے اردو کی یہ مایۂ ناز شخصیت ۶ رجنوری ۱۹۶۶ء کو وفات پا گئی اسی دن شام کو سپرد آتش کردیا گیا۔قمر سنبھلی نے تاریخ وفات کہی

آہ اب گل ہوا چراغ سخن

۱۹۶۶

جہانِ علم وادب کی اہم شخصیت پروفیسر جگن ناتھ آزاد قابل احترام باپ کے قابلِ فخر فرزند ہیں:

نمونۂ کلام:

سیرت نبی کی ایک مثال

روایت ہے کہ حضرت ایک دن مسجد میں بیٹھے تھے
بیاں فرمارہے تھی خوبیار [illegible] مسلماں کی

صحابہ تھے ہمہ تن گوش ارشادات عالی پر
کہ حظِ روح اک اک بات تھی اس فخرِ دوران کی

جنازہ اک یہودی کا اسی جانب سے آنکلا
فضا اندھی ہوئی تھی نالہ و فریاد پیہم سے

انھیں معلوم تھا یہ نعش ہے اک نا مسلماں کی
کبھی بیگانہ ہے مسلم راز نالہ اور ماتم سے

مگر پھر بھی اٹھا انسانیت کا درد پہلو میں
ہویدا ہوگئے آثارِ رقت روئے تاباں پر

ہوئے ایستاده فوراً پاس سے میت جب آگذری
کیا وہ فرضؑ ادا انسان کا جو ہوتا ہے انساںؑ پر

صحابہ نے تعجب سے یہ پوچھا یک زباں ہوکر
ہماری فہم میں آئی نہیں یہ بات یا حضرت

صریحاً مرنے والا ایک کافر اور مشرک تھا
کہ جس کی روح تھی پروردہ ظلمات یا حضرت

اسے تعظیم دی ہے آپ نے کیوں اس طرح اٹھ کر
ہوئے ہیں آپکے چہرے سے کیوں غم کے نشاں ظاہر

وہ تھا مردود کوسوں دور راہِ حق پرستی سے
زمانے پر ہی اس کے اعتقادات نہاں ظاہر

یہ فرمایا مجھے معلوم ہے وہ نا مسلماں تھا
میسر ہو سکی اس کو نہ توفیقِ خدا وندی

مگر اس بات سے انکار ہرگز ہو نہیں سکتا
اسی جاں آفرینِ پاک کی مخلوق تھا وہ بھی

اسی کے رحم کے سایہ میں اس نے پرورش پائی
اسی کے لطف سے اس نے بسر کی زندگی ساری

ہمارا اور اس کا ایک خالق ایک آقا ہے
کہ لازم تھا کہ اس سے کیجئے اظہار غم خواری

صحابہ محوِ حیرت ہوگئے یہ گفت کو سن کر
نہ کیوں کر دلنشیں ہوتا خواب پر اثر ایسا

بجا لائے خدا کا شکر بے اندازہ یہ کہہ کر
زہے قسمت کہ ہم کو مل گیا ہے راہبر ایسا

مبارک پیشوا جس کی ہے شفقت دوست دشمن پر
مبارک پیش رو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے

انہیں اوصاف کی خوشبو ابھی اطراف عالم میں
شمیم جانفزا لاتی ہے مکہ اور مدینے سے

مخلصؔ بدایونی۔ الن جوان:

منشی ملن کے گھر محلہ پنواڑی، بدایوں میں ۱۸۷۹ء میں الن جون کی ولادت ہوئی، مخلص تخلص کرتے تھے۔ آپ کے ایک چچا منشی مداری لال گوہر اردو کے شاعر تھے۔ مخلصؔ کو اوائل عمر ہی سے شاعری کا لگاؤ تھا۔ ۱۹۰۱ء میں شیخ محمود حسین جلیل بدایونی کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے زود گو تھے۔ آپ کے کئی کتابچے شائع ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں حضرت عیسٰی کی شان میں کچھ غزلوں کا گلدستہ چھپا تھا۔ 'فریادِ حزیں' کے نام سے غزلیات کا گلدستہ بھی شائع ہوا۔ مخلص صاحب کا نعت و مناقب کا مجموعہ 'گلدستۂ نعت' ۱۹۳۹ء میں امیر الاقبال پریس بدایوں سے شائع ہوا۔ آپ رسول مکرم ﷺ اور مسلمان بزرگوں سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ مخلص بدایونی ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۴ء تک گورنر جنرل ٹی سیلن کے ملازم بھی رہے۔ شاداب ذکی بدایونی نے اپنے تذکرے میں ان کی شاعری کے بارے میں تحریر کیا ہے: "مخلص بدایونی کا کلام ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ آپ کے یہاں عقیدت اور احترام کے ساتھ نعت رسولؐ کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔" مخلص صاحب نے تقریباً ۷۷ سال کی عمر پائی اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ شعر و ادب کی خدمت میں گذار کر ۱۹۵۵ء میں انتقال کر گئے۔ مختلف نعتوں کے تین اشعار ملاحظہ ہو:

اگر تم دیکھنا چاہو خدا کو
کرو راضی محمد مصطفٰے کو

....

کیوں نہیں چلتا دلِ ناداں مدینے کی طرف
ہند میں رہ کر گرفتارِ بلا ہو جائے گا

....

جب سے آئے ہیں مدینے کا گلستاں دیکھ کر
دل ہمارا ہند کے گلزار میں لگتا نہیں

مضطرؔ لکھنوی۔ کرپا دیال کنور سین:

دیوان بنی پرشاد کے لڑکے کرپا دیال کنور سین کے نام سے معروف تھے۔ کائستھوں کی سکسینہ شاخ سے تعلق رکھتے تھے اور لکھنؤ کے باشندے تھے۔ ان کے دادا چوڑامل دیال دہلی میں شاہی خزانے کے دیوان و پیشکار پنجہزاری سند دار تھے۔ وہ نواب سعادت علی خاں برہان الملک کے ساتھ دہلی سے لکھنؤ آئے اور کٹرہ میں رہائش اختیار کی۔ صائب رائے جن کا شمار لکھنؤ کے معززین میں ہوتا تھا۔ ان کے بھائی اور کاشی رام بخشی ان کے بھتیجے ہوتے تھے۔ منشی خیالی رام خیالؔ حقیقی بھتیجے تھے۔ مصحفی نے ۱۲۱۳ھ میں ان کی عمر ۲۵ رسال بتائی ہے اس حساب سے ان کا سن پیدائش ۱۱۸۸ء قرار پاتا ہے۔ تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ غالباً ۱۲۰۸ء میں اپنے والد کے ہمراہ مختلف علاقوں کا سفر کیا بعد میں مظفر نگر کے تحصیلدار بنائے گئے وہاں سے بلند شہر تبدیل ہوئے اس کے بعد دبائی ضلع بلند شہر چلے گئے۔ افسر صدیقی امروہی نے لکھا ہے:

> ''مضطرؔ عربی بھی جانتے تھے اور حکمت سے بھی واقف تھے۔ سیاق اور انشا ہر دونوں میں انھیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ خدا ترس اور خدا پرست تھے۔ علما، شعرا، فصحا اور فضلا کے قدر دان تھے۔ خوش رو اور خوش خو بھی تھے۔ حلیم اور سلیم بھی۔ مضطرؔ کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ گذشتہ اور معاصرین اساتذہ کے سیکڑوں اشعار انھیں زبانی یاد تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کا کلام کافی غور و فکر کا نتیجہ ہوتا تھا۔''

مضطرؔ کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف 'ریاض الشہدا' ہے جسکا تاریخی نام 'فسانۂ غم' ہے۔ یہ ۱۴۲۵ راشعار کا ایک قصیدہ ہے اور واقعہ کربلا کی تفصیلات میں ہے۔ اسی نعت کے اشعار ذیل میں ملاحظہ ہوں:

پیغمبر آخر زماں، شاہنشہ کون و مکاں
سالار حس مرسلان لمعان نور کرد گار

پیغمبر امتی لقب والا حسب عالی نسب
مہر عجم ماہِ عرب لا مثل فرد روزگار

حاضر ہوا روح الامین پھر عرض خدمت میں کیا
اے سر گرہِ انبیا اے عاشق پروردگار

جنت ہوئی آراستہ حوریں ہوئیں پیراستہ
غلماں بخدمت خواستہ خدمت کے ہیں امیدوار

روح امین نے پھر کہا اے سید ہر دوسرا
فرماتے ہیں رب العلیٰ جب حشر ہوگا آشکار

آئیں گے حاضر اجمعین از انبیا تا مرسلین
اے رحمت اللعالمین تم ہوگے سب کے تاجدار

آخر میں پھر اس نے کہا وعدہ خدا نے ہے کیا
امت تری روز جزا ہوگی اول رستگار

مغمومؔ ۔ باوا کرشن گوپال:

خوش گو شاعر کرشن گوپال کا خاندانی نام باوا اور مغمومؔ تخلص ہے۔ ۱۸ ر دسمبر ۱۹۱۶ء کو موضع دوبھل ضلع اٹک (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد پنڈت نورین چند ہیں جو ایک معزز اور تعلیم یافتہ برہمن خاندان کے فرد تھے اور انگریزی، فارسی و اردو کے عالم تھے۔ مغمومؔ صاحب نے ۱۹۳۶ء میں ایف۔ ایس۔ سی اور ۱۹۳۸ء میں دیال سنگھ کالج، لاہور سے بی۔ اے۔ کا امتحان پاس کیا۔ آپ کو حضرت تلوک چند محرومؔ اور حضرت منورؔ لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ جناب مغمومؔ نے امریکہ، کینڈا اور یورپ کے دیگر ممالک کی سیاحت بھی کی ہے۔ آپ کی سات تصانیف 'بیداری وطن'، 'نقوش حسن'، 'رباعیات مغمومؔ'، 'بزم ماتم'، 'آرزوؤں کے خواب'، 'آوازوں کے جزیرے' اور 'درگا سہائے سرور جہاں آبادی' شائع ہوئی ہیں۔ نیز نقوش جمال بھی منظر عام پر آئی ہے۔

نمونۂ کلام:

دیکھ کر عرش بریں پر جلوۂ دیدارِ حق
تو سراپا بن گیا آئینۂ انوار حق

مظہر انوار ربّانی تجھے کہنا بجا
پیکر آیات قرآنی تجھے کہنا بجا

تجھ کو صدر مجلس توحید کہنا چاہیے
معرفت کے نور کے خورشید کہنا چاہیے

جسم خاکی تھا مگر تھی روح درانی تری
تھی حریفِ طور سینا جلوہ سامانی تری

کون تھا خیرالبشر خیرالبشر تو ہی تو تھا
جس کو تھی سب کی خبر وہ باخبر تو ہی تو تھا

بے بسوں کی بے نواؤں کی زباں تو ہی تو تھا
درد مند و غم گسار بیکساں تو ہی تو تھا

روح انسانی کی تھی منظور تجھ کو شست و شو
سر بکف ہوکر کہا حرف صداقت کو بکو

ہر قدم اٹھتا تھا اک صدق و صفا کی راہ میں
رہبر بے باک تھا تو ہی خدا کی راہ میں

تلخیٔ گفتارِ حق سے لوگ بدظن بھی ہوئے
جاہلِ مطلق تھے جتنے تیرے دشمن بھی ہوئے

بارہا گلیوں میں پتھر تجھ پہ برسائے گئے
تیرے اک اک گام پر سو دام پھیلائے گئے

تو کہ تھا خلق مجسم پھول برساتا رہا
گمرہان راہ حق کو راہ پر لاتا رہا

تو نے ہر دشنام کو ہنس کر گوارا کرلیا
راہ حق میں صبر کو دل کا سہارا کرلیا

عام چرچے تھے تری شیرینیٔ گفتار کے
ہوگئے دشمن بھی قائل رفعت کردار کے

راست گفتاری نے آخر یہ اثر پیدا کیا
ہر منافق کے بھی دل میں تو نے گھر پیدا کیا

تجھ سے طاقت مل گئی انصاف کی آواز کو
اور موج سحر گاہی راستی کے ساز کو

تو مبلغ تھا ہمیشہ نیکیٔ اعمال کا
خیر کے اقوال کا اور خیر کے افعال کا

حامیوں پر تیری بخشش لطف ساماں ہوگئی
رحمت الفقر و فخری پھر سے ارزاں ہوگئی

لوگ بھولے ہیں تری درس رواداری کو حیف
اور ہوا دیتے ہیں جذبات دل آزاری کو حیف

ان کو پھر درس محبت کی ضرورت ہے رسولؑ
ان کو پھر رشد و ہدایت کی ضرورت ہے رسولؑ

اے محبت کے پیمبر رہبر دنیا و دیں
تیرے قدموں پر عقیدت سے جھکاتا ہوں جبیں

......

نعت کہنے کی جہاں دل میں تمنا دیکھی
وہیں جذبات میں تحریک بھی پیدا دیکھی

تجھے دیکھا جو تصور میں نبی اکرمؐ
تیرے جلوؤں سے خجل برق تجلی دیکھی

گل و گلزار میں ہے تیری ہی زلفوں کی مہک
ذرّہ ذرّہ میں ترے حسن کی دنیا دیکھی

یوسف و عیسیٰ و موسیٰ بھی نہ تھے تیری نظیر
تجھ سے بڑھ کر نہ کوئی ہستی رعنا دیکھی

جاہلیت کے زمانے میں رہِ مولیٰ پر
اک تری ذاتِ مطہر تنِ تنہا دیکھی

سامنے تیرے ہی اے رہبر راہِ ہدیٰ
اہل باطل میں بھی اک فوج صف آرا دیکھی

تو نے انسان کی تعظیم سکھائی ہم کو
قدر انساں کی اک تجھ سے دوبالا دیکھی

آج جس قسم کے ہنگامے ہیں دنیا میں بپا
تیری تعلیم ہی ان سب کا مداوا دیکھی

تیری تعظیم ہے تکریم ہے ہر روئے زمیں
تیری توقیر سر عرش معلیٰ دیکھی

نعت میں صورت و سیرت ہے نبیؐ کی مغمومؔ
اسی آئینہ میں اک ہستی یکتا دیکھی

مکھنؔ۔ راجہ مکھن لال:

دکن کے شعرائے اردو میں راجہ مکھن لال مکھنؔ کا نام نامی محتاج تعارف نہیں۔ آپ مہاراجہ چندو لال شاداں کی طرف عرض بیگی تھے۔ موصوف کی شاعرانہ صلاحیتوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے ۱۲۶۰ھ میں عمر خیام کی رباعیات کا منظوم ترجمہ رباعیات میں ہی کیا۔ آپ کے شعری سرمائے میں نعتیہ کلام کا خاصا حصّہ ہے۔ جناب مکھنؔ لال کا قلمی دیوان کتب خانۂ آصفیہ میں محفوظ ہے جس میں حمد اور منقبت بھی ہے مگر نعتیہ کلام زیادہ ہے۔ آپ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ آپ کا نذر عقیدت اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ نے آپ کی نعتیہ شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''جہاں مکھنؔ نے حضور کی محبت میں اپنے داخلی جذبات کا اظہار کیا ہے وہاں آپ کے محاسن کا بیان بھی ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ ان محاسن میں داخلی اور خارجی دونوں ہیں۔ حضور اکرمؐ کے شمائل قرآں، رحمت اللعالمین، شفیع المذنبین، ہادی راہ ھدیٰ وغیرہ حقیقی اوصاف کا بیان ہے۔ مکھنؔ بارگاہِ نبیؐ میں معروضہ بھی پیش کرتے ہیں تو ان کے اوصاف کا واسطہ دیتے ہوئے احسان کا ذکر کرتے ہوئے اور آپکے رحمت اللعالمین ہونے کو سہارا بناتے ہوئے۔''

غلام حسین مولف گلزار آصفیہ نے لکھا ہے کہ:

''وہ بہت خلیق اور اپنی خوبیوں کی وجہ سے مشہور تھے آپ فارسی اور اردو کے شاعر اور انشاپرداز تھے۔''

شایان بریلوی نے لکھا ہے کہ:

''مکھن کو ناصر الدولہ کے زمانے میں راجہ کا خطاب ملا تھا''۔

انھوں نے اپنے تذکرے میں یہ بھی لکھا ہے کہ

''راجہ مکھن لال آخری عمر میں مسلمان ہو گئے تھے۔''

محلہ مغل پورہ حیدرآباد میں کوچۂ مکھن لال انکی یادگار ہے۔ انکے نعتیہ مسدس کے چند بند ملاحظہ ہوں:

کیا نبی اور کیا نبوت کی معلٰی شان ہے
جس کی صورت سے ہویدا سورۂ رحمٰن ہے
ذات جن کی دو جہاں میں منبع احسان ہے
مدح میں ان کے مقصر طاقت انسان ہے

یا رسول اللہ تم پر جان و دل قربان ہے
یاد تیری دل میں مرے ہر گھڑی ہر آن ہے

رحمت اللعالمین ہو یا نبی خیر الوریٰ
شاہد صادق تمہارے وصف کا قول خدا
ہو شفیع المذنبین و ہادی راہِ ھدیٰ
کر کرم راہ سعادت پر مجھے ہو رہنما
یا رسول اللہ تم پر جان و دل قربان ہے

سورۂ والشمس ہے تجھ حسن عارض پر گواہ
زلف مشکیں تس پہ جوں واللیل ہے بے اشتبا
آیۂ انا فتحنا فتح میں ہے شمع راہ
قاتل حساد دیں تم ہو اور تیغ لا الہ
یا رسول اللہ تم پر جان و دل قربان ہے

ہیں تمہارے نور کے اک ذرّہ ماہ و آفتاب
بہرور تجھ خوانِ بخشش سے ہیں دریا اور سحاب
انبیاء ما سلف تم سے ہوئے ہیں فیضیاب
رحم کر مجھ حال اوپر یا اخی بوالتراب
یا رسول اللہ تم پر جان و دل قربان ہے

....

حمید و احمد و محمود تم ہو یا رسول اللہ — سعید و اسعد و مسعود تم ہو۔ یا رسول اللہ

بہر آن و زماں موجود تم ہو یا رسول اللہ — دل و جاں کے مرے مقصود تم ہو یا رسول اللہ
نہ باشد غیر تو دیگر پناہم یا رسول اللہ — بکن لطف و کرم بر اشک و آہم یا رسول اللہ
نہیں مجھ پر فراغت تا کہ میں پہنچوں مدینے کو — رکھوں آنکھوں کے خاتم بیچ اس نوری نگینے کو
نپٹ اس آرزو میں تلخ میں سمجھا ہوں جینے کو — جو حاصل ہووے مطلب تم بتاؤ اس قرینے کو

....

یہی ہے آرزو دل میں کہ دیکھوں یثرب و بطحی — کرم سے یا نبی اللہ مجھے اس جا اوپر پہنچا
کروں تا خاک تجھ درگاہ سے کحل البصر اپنا — اسی خاک مرتب بخش میں مدفن بنے اپنا

گو مسلماں نہیں پر قائل اسلام ہوں
کیوں کہ مردانِ خدا کا بندۂ بے دام ہوں

بانی اسلام خون کا ہوتا ہے آج — خندہ زن حالت پہ دین پاک کی دنیا ہے آج
پھر دلوں میں گمرہی کی کیفیت پیدا ہے آج — راز دان اسلام کا اسلام میں عنقا ہے آج

بے خبر قرآن کے معنی کچھ ہیں ہی نہیں
عظمت اسلام سے واقف مسلماں بھی نہیں

منشی ۔ مول چند:

منشی کا نام مول چند تھا۔ دہلی کے رہنے والے تھے وہ شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد تھے۔ آپ حضرت شاہ عالم بادشاہ دہلی کے دربار میں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے۔ مول چند منشی نے شاہنامہ فردوسی اور شمشیر فانی کو اردو میں نظم کیا۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ مولوی امام بخش صہبائی نے اپنی کتاب انتخاب دواوین میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اکثر قصص شاہنامہ کی زبان ریختہ میں لکھے ہیں۔'' صہبائی نے شاہنامہ مول چند سے انتخاب پیش کیا ہے جس میں پہلے چھ اشعار حمد کے ہیں

اور درج ذیل پانچ اشعار نعت پیمبر کے عنوان سے شامل ہیں۔ آپ نے ۱۸۳۲ء میں وفات پائی۔

ثنائے محمدؐ ہے وردِ زباں　　پُر از مشک و عنبر نہ کیوں ہو وہاں

فلک جس کے آگے جھکاتا ہے سر　　ہے ختم رسل سرورِ نامور

سپہر نبوت کا وہ آفتاب　　سر سرفرازانِ عالی جناب

مہ انور اس کا ہے داعی غلام　　جہاں جس کے دیں سے گردش تمام

رسول خدا سیدِ انبیا　　سر سرورانِ احمد مجتبیٰ

منورؔ لکھنوی۔ بشِشور پرشاد:

جناب منورؔ لکھنوی ۷ر جولائی ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا پورا خاندان شعر و ادب سے مالا مال تھا یعنی آپ کے والد منشی دوار کا پرشاد افقؔ، دو چچا منشی سہائے تمناؔ اور منشی ماتا پرشاد نسیاںؔ اور ماموں منشی جگت پرشاد قیصرؔ کا شمار خوش فکر شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ کے کئی عزیز رشتہ دار بھی اردو ادب کا ذوق رکھتے تھے۔ منورؔ صاحب کی درسی تعلیم انٹرنس تک رہی مگر فارسی، عربی، اردو، سنسکرت کا بھی وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ آپ نوبت رائے نظرؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ محکمۂ ریلوے کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ عمر کا باقی حصّہ بھی خدمت کرتے ہوئے گذرا اور لائف انشورنس کارپوریشن کی شائع کردہ کتابوں کا ترجمہ کرتے رہے۔ نیز محکمۂ اطلاعات عامہ رہا ستہائے متحدہ امریکہ کے لیے مختلف اہم کتابوں کے تراجم کرتے رہے۔ جناب منورؔ لکھنوی کثیر التصانیف تھے۔ ان کی پہلی تصنیف 'نذر ادب' ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی۔ ۲۲ برس کے عرصے میں ان کی ۲۵ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئیں۔ آخری دس برس میں ان کے ۱۲ تراجم شائع ہوئے۔ اردو منظوم مترجموں میں ان کا اہم مقام ہے۔ منورؔ صاحب نے قرآن مجید کے بعض حصوں کے علاوہ کئی مذہبی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ ان کی زباندانی اور فنی دسترس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ

انھوں نے عربی، فارسی، انگریزی اور سنسکرت کے بے شمار شہ پاروں کے اردو منظوم ترجمے کیے ہیں۔ ساز مغرب کے دس حصوں میں ان کے لکھے ہوئے ۱۵ار منظوم ترجمے شامل ہیں۔ موصوف فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ محترم علی جواد زیدی تحریر فرماتے ہیں:

''بے حد پُر گو اور فن شناس اور ادا شناس تھے۔ استادی کے مرتبے پر فائز تھے۔''

جناب منور لکھنوی نے ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۲ء تک رسالہ 'دربار' کے حصۂ نظم کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ آپ نے شمع ادب کو منور رکھا اور ۲۴ر مئی ۱۹۷۰ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ جناب منور لکھنوی کی تصانیف میں کائنات دل، سوز وطن، جگر ہائے لخت لخت، زیرہ گل، تاثرات منور، نوائے نو، ادائے نو، ضیائے نو، عطائے نو، بنائے نو اور زعفران زار شامل ہیں۔ جناب منور لکھنوی نے پورے خلوص وعقیدت کے ساتھ دربار نبیؐ میں نذرانۂ عقیدت ومحبت پیش کیا ہے ان کے نعتیہ کلام سے فکر ونظر کی وسعت اور حرف ولفظ پر ان کی دسترس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

نمونۂ کلام: ایک نیا پیغام

بانی اسلام اے خورشید تابان عرب — اے محمدؐ مصطفیٰ جانِ عرب شانِ عرب
ظلّ اقدس پھلا پھولا گلستانِ عرب — جگمگایا نور وحدت سے بیابانِ عرب

آپ کے پیغام کی بنیاد تھی الہام پر
اک نئی دنیا بسا ڈالی خدا کے نام پر

اپنے مسلک کے محافظ اپنی امت کے کفیل — سینۂ شفاف کی خاکِ مدینہ ہے دلیل
آپ نے کر دی نجات روح کی پیدا سبیل — حشر میں اہل صفا کے آپ ہی ہوں گے وکیل

لاکھ کعبے ضوفشاں تھے دیدۂ پُرنور میں
روشنی پیدا نہ تھی ایسی چراغ طور میں

آپ پر نازل خدائے پاک نے قرآں کیا　　سرمۂ توحید سے وا دیدۂ عرفاں کیا
آشکارا زندگی کا جوہر پنہاں کیا　　پیکر اقدس کو رشک کعبۂ ایماں کیا

جو نہ سمجھے آپ کا رتبہ وہ اہلِ دل نہیں
اور کوئی جادۂ تسلیم کی منزل نہیں

دانا ہے چشم ضمیر اب تک نہ صاحب دل ہوں میں　　دور ہے کوسوں جو بیداری سے وہ غافل ہوں میں
ناشناسِ رازِ پنہانِ حق و باطل ہوں میں　　کیسے پھر اسلام کی تفہیم کے قابل ہوں میں

گو مسلماں میں نہیں پر قائل اسلام ہوں
کیونکہ مردانِ خدا کا بندۂ بے دام ہوں

بانیٔ اسلام خون کا ہوتا ہے آج　　خندہ زن حالت پہ دینِ پاک کی دنیا ہے آج
پھر دلوں میں گمرہی کی کیفیت پیدا ہے آج　　راز داں اسلام کا اسلام میں عنقا ہے آج

بے خبر قرآں کے معنی سے کچھ میں ہی نہیں
عظمت اسلام سے واقف مسلماں بھی نہیں

جانتے ہیں راز مردانِ خدا اسلام کا　　ہیں سمجھتے مرتبہ اہلِ صفا اسلام کا
ہے فقط عشق الہٰی مدعا اسلام کا　　اور کچھ مقصد نہیں اس کے سوا اسلام کا

ہو بنا نفرت پہ جس کی یہ وہ مذہب ہی نہیں
دوسروں سے ترک الفت اس کا مطلب ہی نہیں

سرزنش کافر کی اور اسلام ناممکن ہے یہ　　ہو دلآزاری سے اس کا کام ناممکن ہے یہ
دے کسی کو موت کا پیغام ناممکن ہے یہ　　ہاتھ میں لے تیغ خوں آشام ناممکن ہے یہ

اور جو کرتے ہیں ایسا آڑ میں اسلام کی
دھجیاں اڑتی ہیں ان کے جامۂ احرام کی

مذہبی دیوانگی اسلام کا عنصر نہیں
عقل پر صیقل یہ کرتا ہے جنوں پرور نہیں
قلب کے جذباتِ حیوانی کا یہ مظہر نہیں
نفس کے افعال شیطانی کا یہ مصدر نہیں
اور جو قائل ہے اس کا وہ مسلماں ہی نہیں
بندۂ اسلام ہو کیسے جو انساں ہی نہیں

خون کافر نہیں حصر و قیام اسلام کا
اس پہ مستحکم نہیں ہرگز نظام اسلام کا
حب عالمگیر سے چمکا ہے نام اسلام کا
ورنہ میں کرتا نہ ہرگز احترام اسلام کا
وید میں تعلیم جو کچھ ہے وہی قرآں میں ہے
نقص اگر کچھ ہے تو فہم و دانش انساں میں ہے

کھیل کیوں سمجھا ہے اک اہل شریعت نے اسے
طاق پر رکھا ہے کیوں اہلِ عبادت نے اسے
کرلیا قبضہ میں ارکانِ حکومت نے اسے
کردیا بدنام ارباب سیاست نے اسے
جس کا بانی آپ سا ہادی ہے یہ وہ دین ہے
اس کی پابندی نہ کرنا آپ کی توہین ہے

کیوں ہیں تاویلیں یہ الٹی آپ کے احکام کی
صبح نورانی میں کیوں شامل ہے ظلمت شام کی
پھر ہو عظمت آشکار آپ کے پیغام کی
لیجیے آکر خبر پھر عالم اسلام کی
نام پر مذہب کے ظلم و جور کی بدعت نہ ہو
راحلِ بے راہ یعنی آپ کی امت نہ ہو

....

اسی سے ہے لقب پاک سرورِ کونین
یہ عرش و فرش یہ کل کائنات آپ کی ہے
ہے مرتبہ اسے والسلام کا حاصل
شریک دل نگۂ التفات آپ کی ہے
عرب کو جس نے بنایا جوابِ صد فردوس
بس ایک ذات ستودہ صفات آپ کی ہے

ہے کون شیخ معظم کی جو کرے تردید — خدا کے بعد اگر ہے تو ذات آپ کی ہے

نذیر قیصر:

نذیر قیصر ۵ رجنوری ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ مذہبا عیسائی ہیں۔ اردو کے علاوہ پنجابی کے بھی خوبصورت شاعر ہیں، ہفت روزہ 'صدائے حق' کے مدیر ہیں۔ 'تیری دنیا' ۱۹۷۹ء، 'آنکھیں، چہرا، ہاتھ ۱۹۶۸ء اور 'گنبدِ خوف سے بشارت' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔ نذیر قیصر صاحب کا نعتیہ کلام کا مجموعہ 'اے ہوا موذن ہو' ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔ نذیر قیصر کی نعتیہ شاعری کے بارے میں ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی لکھتے ہیں:

"نذیر قیصر اس روایت کا ایک بھرپور اور توانا اظہار ہے جو غیر مسلموں کی نعت کے حوالے سے اردو اور ہماری دیگر زبانوں میں تسلسل کے ساتھ مل رہی ہے"

سراج منیر مرحوم نے نذیر قیصر کی شاعری کے حوالے سے لکھا ہے:

"نذیر کی نعتیں اپنے منفرد اسلوب، جذب و مستی کی سرشاری اور لفظ و معنی کے علامتی روابط کی نئی جہتوں کے سبب نعتیہ ادب میں ایک نئی روایت کا دروا کرتی ہے۔ اس طرح نذیر قیصر کی شاعری میں یہ نعتیں نذیر قیصر کا ظہور نو بھی ہیں۔"

پریشان خٹک فرماتے ہیں:

"نذیر قیصر کی نعتیں ندرت خیال کا مرقع ہیں۔ اس نے ایک نئے اسلوب کی ابتدا کی ہے جو یقیناً پذیرائی حاصل کرے گا۔"

نمونہ کلام:

خامشی، غار حرا، دل میرا — تیرے قدموں کی صدا دل میرا
گنبد سبز پہ تاروں کا ہجوم — اور سر باب دعا دل میرا
صبح کے ساتھ جھکی شاخ گلاب — شاخ کے ساتھ جھکا دل میرا

لوح در لوح ترے نقش قدم　　حرف در حرف لکھا دل میرا
ڈوبتی رات کے سناٹے میں　　اک کتاب ایک دیا دل میرا
روشنی طاق ابد سے اتری　　اور ستارے نے کہا دل میرا
جن زمانوں میں تری خوشبو تھی　　ان زمانوں کی ہوا دل میرا

....

پل میں در آئے عرش گئے اور آ گئے　　انساں کا ہے مقام کہاں تک بنا گئے
قیصر اب اس سے بڑھ کے ہو کیا درس زندگی　　جینا سکھا گئے ہیں مرنا سکھا گئے

....

آسماں آسماں قدم اس کے　　معجزے خاک پر رقم اس کے
لہر بکھری ہے یم بہ یم اس کی　　تارے اترے ہیں خم بہ خم اس کے

....

رنگ و نسل کا پرچم پاؤں میں ڈال دیا　　بندے کو انساں کا حسن و جمال دیا
تیرا سایہ نہیں تھا لیکن عالم پر　　تو نے رحمت رب کا سایہ ڈال دیا

نور لکھنوی۔ کرشن بہاری:

جناب کشن بہاری لال شریواستو کے نامور فرزند کرشن بہاری لال لکھنؤ میں ۸/ نومبر ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ بھارت کے قابل ذکر شعرا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اکثر عالمی مشاعروں میں بھی شرکت کرتے رہتے ہیں۔ محترم فضل نقوی لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ آپ کا شعری مجموعہ 'دکھ سکھ' ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ نور لکھنوی غزل گوئی کے لیے مشہور و مقبول ہیں مگر نعت بھی پورے اہتمام کے ساتھ کہتے ہیں۔ جب اپنی خاص مترنم آواز میں نعت سناتے ہیں تو محفل میں ایک عجیب سماں بندھ جاتا ہے۔

نمونۂ کلام:

کوئی مذہب تھا نہ ایماں تھا نبیؐ سے پہلے
بھٹکا بھٹکا سا ہر انساں تھا نبیؐ سے پہلے

کس کو معبود کی قربت کا شرف حاصل تھا
رازِ حق کس پہ نمایاں تھا نبیؐ سے پہلے

مسئلے سلجھے تو جینے کا قرینہ آیا
آدمی کتنا پریشاں تھا نبیؐ سے پہلے

بھر گئیں جھولیاں، ایماں کے گہر سے ورنہ
آدمی خاک بداماں تھا نبیؐ سے پہلے

شمع توحید کی جب تک نہ جلی تھی اے نوؔر
سنتے ہیں کفر ہی ایماں تھا نبیؐ سے پہلے

....

معراج نبوت پاتی ہے پُر نور زمانہ ہوتا ہے
معبود سے باتیں ہوتی ہیں اور بیچ میں پردا ہوتا ہے

آتے ہیں نبیؐ جاتے ہیں نبیؐ بستر پہ شکن پڑتی ہی نہیں
کٹ جاتی ہے جب معراج کی شب عالم میں سویرا ہوتا ہے

یہ ربط نبوت اور وحدت ہر حال میں یکساں رہتا ہے
جھکتی ہے جبیں کعبہ کی طرف اور دل میں مدینہ ہوتا ہے

گلزارِ محمدؐ کیا کہنا، بازار مدینہ کیا کہنا
ایمان کے سکّے چلتے ہیں فردوس کا سودا ہوتا ہے

وہ نورِ خدا کا ٹکڑا تھا کس طرح بھلا ہوتا سایہ
مٹی سے بنایا جاتا ہے جس جسم میں سایہ ہوتا ہے

....

ذکر ہی تیرا حقیقت ہے رسول عربیؐ
تیری الفت ہی عبادت ہے رسول عربیؐ

یہ بھی معراجِ محبت ہے رسول عربیؐ
قلب انساں پہ حکومت ہے رسول عربیؐ

تیرا ایمان محبت ہے رسول عربیؐ
تیرا افسانہ حقیقت ہے رسول عربیؐ

آج بھی جس کی ضیاؤں سے ہے روشن دنیا
تو وہی شمع رسالت ہے رسول عربیؐ

جو خدا کا ہے وہی اندازِ بیاں ہے تیرا
کتنی معبود سے قربت ہے رسول عربیؐ

تیرے چہرے سے ضیا دیتا ہے نورِ توحید
تیرے جلوؤں میں بھی وحدت ہے رسول عربیؐ

سر کو رکھا ہے ترے در کو سمجھ کر جنّت
آگے اب نوؔر کی قسمت ہے رسول عربیؐ

غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کا اجمالی جائزہ

اردو زبان وادب کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے ہمیشہ تمام مذاہب کی اخلاقی قدروں کو سراہا ہے اور تمام مذاہب کے پیشواؤں کے اعمال اور ان کے اعلیٰ وارفع کردار میں معرفت اور تصوف کی جہتوں کو تلاش کیا ہے اور عوام کو حسنِ عمل، حسن اخلاق نیز یک جہتی، اخوت، رواداری، انسان دوستی، محبت، یگانگت کی طرف راغب کیا۔ اردو شعراء کا بلاتفریق مذہب و ملت تمام پیشوایانِ ملت کے تئیں عقیدت وسعادت مندانہ جذبات رکھنا اور مذکورہ پیرایۂ اظہار بیان میں کثرت وحدت کی ایک تابناک کرن تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ مسلم شعراء کا ہندو تہواروں ہولی، دیوالی اور دسہرے پر نظمیں، حسرت موہانی کا کرشن جی کے کردار کی تعریف کرنا۔ اقبال کا اپنی نظم میں رام چندر جی کو 'چراغِ ہدایت' اور 'امامِ ہند' جیسے القاب سے نوازنا اور ہندو شعراء کا عید، بقر عید، محرم پر نظمیں کہنا اور بارگاہ رسالتِ مآب میں عقیدت کے پھول نچھاور کرنا اسی اتحاد بین الملت کا بین ثبوت اور روشن دلائل ہیں۔

سرزمین ہند کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسلامی روایات کا پاس ولحاظ رکھنے والے افراد نے یہاں نہ صرف مذہب اسلام کی آبیاری ہی کی تھی بلکہ یہاں کے دیگر مذہب کے ماننے والوں میں اسلام کے روح رواں پیغمبر آخرالزماں کے بارے میں ایسا تاثر دیا ہے کہ اس ملک میں بسنے والے دیگر طبقات سے متعلق افراد نے بھی ایک سچے محسنِ انسانیت کی طرز زندگی، سیرت، عادات کو اپنی زندگی کا خاصا بنایا اور جب شعر گوئی کی رغبت اختیار کی تو مدحِ رسول کے ایسے بے مثل جوہر دکھائے کہ بے ساختہ انکی وابستگی اور نسبت پرستی پر داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اگر اردو کے ہندو شعراء کی نعت گوئی کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو ضروری ہے کہ ان غیر مسلم شعراء کے ناموں کی فہرست پر غور کر لیا جائے جو بہت

طویل ہے۔ ہندو نعت گو شعراء کے ناموں کی ایک اچھی تعداد اس شرف سے مستفیض ہے۔ ان لوگوں نے نبی اُمی، تاجدار انبیاء سید البشر سے اپنی عقیدت مندانہ اور والہانہ وابستگی کو ایسے اشعار میں پرو دیا ہے کہ ان کی نعت گوئی پر امت مسلمہ سے وابستہ افراد بھی انگشت بدندان رہ جاتے ہیں۔ فی الوقت لالہ لچھمی نارائن شفیقؔ، راجیشور راؤ اصغرؔ، مہاراجہ چندو لالؔ، مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ، منور لال بہارؔ، راجہ لال راجہؔ، مکھن لال مکھنؔ، رگھوبندر راؤ جزبؔ، بہاری لال رمزؔ اور ایسے ہی بے شمار نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام کو پیش کر کے ان کی نعت گوئی کی نشاندہی مقصود ہے۔ ان کے علاوہ جگدیش مہتا، فراقؔ گورکھپوری، تلوک چند محرومؔ، پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ، رتن ناتھ سرشارؔ، پنڈت دیا شنکر نسیمؔ، پنڈت برج نارائن چکبست، دیا نارائن سنگم جیسے شمالی ہند سے تعلق رکھنے والے ہندو نعت گو شعراء کی خدمات بھی لاجواب و بے مثال ہیں۔ ضروری ہے ان کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔ ان مذکورہ بالا شعراء کے کلام کے تمام عناصر و عوامل پر بحث کی جائے۔ اردو کے بیشتر نعت گو شعراء کا یہ خاصہ رہا ہے کہ انھوں نے عقیدت کی وہ روش اختیار کی، وہ جذبۂ ارادت مندی سے اس قدر مغلوب و سرشار ہو گئے کہ نعت میں غلو اور مبالغہ آرائی حدود سے تجاوز کر گئی۔ تصور نے عشق حقیقی سے عشق مجازی تک مختلف منزلیں طے کی ہیں۔ رسول مقبول کو ایک محبوب کی طرح چاہنا اور ان تمام جذبات کی عکاسی جو ایک محبوب سے وابستگی رکھتی ہے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس طرح نعت گوئی میں ہندو شعراء نے ایک محبوب کی مانند رسول مقبول کی ذات اکرم سے اظہار عقیدت کیا ہے۔

ان نعت گو ہندو شعراء نے نعتیہ کلام کے ذریعہ ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے کہ جس کی وجہ سے سرور کائنات سے رغبت کا جذبہ غیر اسلامی افراد میں عام ہو گیا۔ چند اہم ہندو نعت گو شعراء کے کلام اور ان کے تعارف کی خاطر فی الوقت مختصراً اور اجالاً تحریر ضروری ہے۔ جگدیش مہتا متوطن دہلی، متولد سیال کوٹ نے رسول عربی کے عشق میں ڈوب کر یوں گل ہائے عقیدت نچھاور کیے ہیں، فرمایا ہے

یا شاہ عرب غم سے عجب حال ہوا ہے مرنے میں ہے کچھ لطف نہ جینے میں مزا ہے

بے کل ہوں جدائی سے ہے بے تاب مری جاں بے علم ہو کیوں حال سے یہ رنج سوا ہے

پیدل ہی میں گھبرا کے چلا آؤں مدینہ پر تاب و تواں مجھ میں کہاں ایسا رہا ہے

خادم ہوں میں جب آپ کا تاخیر یہ کیسی للہ بتا دو مجھے کیا میری خطا ہے

اس طرح پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا ''سلام'' اردو نعت گوئی میں ایک خوشگوار اضافہ ہے اس میں انھوں نے فخر المرسلین سرور کونین کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کیا ہے۔ اگر نعتیہ کلام میں سلام کے موقف کی نشاندہی کی جائے تو اس موضوع پر بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے۔ جگن ناتھ آزاد کہتے ہیں۔

سلام اس ذات اقدس پر، سلام اس فخر دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے انساں پر
سلام اس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بے کسوں کا آسرا مشفق غریبوں کا
سلام اس پر جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لیے بے تاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اس پر کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر گالیاں اس پر دعائیں دیں

اس سلام میں جگن ناتھ آزاد کے خراج عقیدت کا انداز جس قدر خلوص و احترام کا حامل ہے اس سے کہیں زیادہ ان کے صبر و قرار کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ہر شعر کا مصرع غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آزاد نے اردو کی نعتیہ شاعری میں کمال کر دکھایا ہے۔

علاوہ ازیں لالہ چند ملک، آنند نارائن ملاّ، نریش کمار شاد، درشن سنگھ دگل، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

کے کلام اور منشی راج بہادر برقؔ کے مجموعۂ کلام ''مطلع انوار'' میں نعت کے زندہ جاوید نمونے موجود ہیں۔علاوہ ازیں دیگر منتخب ہندو شعراء کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔اسکے مطالعے سے مختلف شعراء کی نعت گوئی میں قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ اظہار عقیدت و مدحت کو سمجھنے میں بھرپور مدد مل سکتی ہے۔

مہاراجہ کشن پرشاد فرماتے ہیں۔

کافر نہ کہو شاد کو ہے عارف و صوفی ۔ شیدائے محمدؐ ہے و شیدائے مدینہ
معراج میں حضور جو مدعوائے خدا تھے ۔ خلوت بھی کوئی اور وہاں مہمان نہیں تھا
لازم ہے مجھ کو نغمہ سنجی رکھتا ہے یہ آرزو بھی ۔ ممدوح کی مدح لکھ رہا ہوں مداح حبیب مصطفٰے ہوں

پنڈت ہری چند اخترؔ فرماتے ہیں۔

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا ۔ کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کردیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا ۔ اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا

چندر پرکاش جوہرؔ بدایونی یوں اظہار عقیدت کرتے ہیں۔

میں کافر ہو کے بھی ایمان رکھتا ہوں محمدؐ پر ۔ کوئی انداز تو دیکھے مری کافر ادائی کا
نہیں ذکر محمدؐ کے لیے تخصیص مذہب کی ۔ یہ کس نے کہہ دیا کہ صرف مسلم کی زباں تک ہے
تخصیص کوئی مذہب و ملت کی نہیں ہے ۔ اس رحمت عالم کی دعا سب کے لیے ہے

محترمہ شانتی صباؔ فرماتی ہیں۔

فلک کے چاند ستاروں انھیں تلاش کرو ۔ بہت حسین مسافر ادھر سے گزرے ہیں

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ فرماتے ہیں۔

تکمیل معرفت ہے محبت رسول کی ۔ ہے بندگی خدا کی اطاعت رسول کی
اتنی سی آرزو ہے بس اے رب دو جہاں ۔ دل میں رہے سحرؔ کے محبت رسول کی

ایسے ہر اشعار جو مدحت رسول اکرم کے ترجمان ہیں بے شمار غیر مسلم شعراء کی زبانِ قلم سے بصمیم قلب ادا ہوئے ہیں جن سے ان کی ارادت مندی کا وافر ثبوت فراہم ہو جاتا ہے۔ مزید فصاحت کے لیے چند نامی گرامی شعراء کے مزید اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

رحمت کی شاہراہ مسدود نہیں — انوار بے شمار محدود نہیں
وہ امتِ اسلام میں محدود نہیں — معلوم نہیں تم کو محمدؐ کا مقام

فراق گورکھپوری

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارا تو نہیں — صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

جو نہ سمجھے آپ کا رتبہ وہ اہل دل نہیں — اور کوئی جادۂ تسلیم کی منزل نہیں

بشیشور ناتھ منور

کیا درس مساوات دیا نوع بشر کو — اترے گا نہ سر سے کبھی احسان محمد

شیش چندر سکسینہ طالب

دل سے تم عزت محمدؐ کی کرو اے ہندو — غور اک انساں کی تعلیم الفت پر کرو
جن کے دل میں عزت و عظمت محمدؐ کی نہیں — کر نہیں سکتے بزرگوں کی وہ عزت بالیقیں
ہندو و مسلم کو یکساں میرا یہ پیغام ہے — غور سے دونوں پڑھیں دانائی اسکا نام ہے

خاتون شاعرہ رام پیاری

آپ خیر البشر ہیں کچھ نہیں شک — آپ کی ذات لطف سبحانی
تمکنت میں تھے کوہ تمکین آپ — خلق والا تھا رحم یزدانی
دھاک بیٹھی تھی دل میں اعدا کے — تھے شجاعت میں ایسے لاثانی
گو کہ امّی جہاں میں تھے مشہور — تھا تکلم کلام ربانی

بات بات آپ کی حکیمانہ　　ہر نصیحت تھی وعظ عرفانی
ادب و خلق اور مروت سے　　پھیلی آفاق میں مسلمانی
ایسے بے مثل بندہ پرور کی　　ہو سکے کیا بھلا ثنا خوانی
کشن پرشاد شاد

حل کیجئے عقدے میرے　　ہیں آپ ہی مشکل کشا
میری مشکل بھی للہ آسان ہو　　تم ہو عقد کشا یا رسول اللہؐ
کشن پرشاد شاد

لگا دو پار کشتی کو ہمارے یا رسول اللہ　　مصیبت میں کرو میری یاری یا رسول اللہ
نہیں کوئی رہا اپنا ہوا جگ رین کا سپنا　　تمہارے نام کا جپنا ہے جاری یا رسول اللہ
منشی نندی کپور یکتا

کس کی حکمت ہے یتیموں کو کیا در یتیم　　اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا
آدمیت کا غرضِ ساماں مہیا کردیا　　اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا
پنڈت ہری چند اختر

مددگار و معاون بے بسوں کا زیر دستوں کا　　ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا
بڑے چھوٹوں میں جس نے ایک اخوت کی بنا ڈالی　　زمانے سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی
جگن ناتھ آزاد

بانیٔ اسلام اے خورشید تابانِ عرب　　اے محمد مصطفےٰ جانِ عرب شان عرب
ظل اقدس میں پھلا پھولا گلستاں عرب　　جگمگایا نور وحدت سے بیابان عرب
آپ کے پیغام کی بنیاد تھی الہام پر　　اک نئی دنیا بسا ڈالی خدا کے نام پر
مہیشور ناتھ منور

☆☆☆

غیر مسلموں کی نعت گوئی کے متعلق چند ادیبوں کی رائے

محمد ظہیر عالم خاں نے اپنی ایک تحریر میں بیان کیا ہے کہ:

''ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد کے بعد جہاں بے شمار ثقافتی رسوم کو مسلمانوں نے قبول کیا وہیں اسلام کے زرین اصولوں اور تعلیمات نے ہندو ثقافت، تہذیب اور فکر پر اپنے گہرے نقوش ثبت کیے۔ اردو مسلمانوں اور ہندوؤں کی تہذیبی سنگم کی بہترین مثال ہے۔ اس سنگم میں دونوں قوموں کی فکری اور علمی قدروں کی جھلک نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ اردو کے محسنوں میں ہندو اور مسلم یکساں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ مسلم مجاہدین اور صوفیائے کرام نے اپنے قول و عمل سے جس تصور اور تصویر رسالت کا تعارف کرایا اس سے دین اسلام کی ترویج اور اشاعت ہوئی۔ بہت سے لوگ اپنے قدیم دھرم کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ جن لوگوں پر تبلیغ کا اثر نہ ہوا۔ انھوں نے اسلام کے تصور اعلیٰ کو قبول نہ کرنے اور اپنے دھرم پر قائم رہنے کے باوجود مرتبۂ ذات گرامی رسولؐ سے انکار نہیں کیا بلکہ رسول اکرم کے ساتھ اپنی والہانہ عقیدت کے اظہار میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ قدیم اردو تحریروں میں ہندو بھی مسلمانوں کی طرح محمد صلی علیٰ رسولہ الکریم لکھا کرتے تھے اور خدائے بزرگ و برتر کی توصیف کے بعد نعت کے طور پر کچھ ضرور لکھا کرتے تھے۔ یہ التزام پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی اور منشی طوطا رام شیاں کی داستانِ امیر حمزہ میں بھی ملتا ہے۔''

ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی تصنیف ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' میں ہندوؤں پر فارسی

تعلیمات کے اثرات کے عنوان سے لکھا ہے کہ:

''سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہندوؤں کے اساطیر کے علاوہ بعض ان مذہبی اثرات و رسومات کو بھی اپنی کتابوں میں قائم رکھا جو مسلمانوں کی محبوب خصوصیات تھیں، لیکن ہندوؤں کا انھیں اختیار کرنا بڑا ہی قابل تعجب ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد اللہ، صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے علاوہ اپنے آپ کو برلب گور لکھنا وغیرہ الفاظ اس کثرت کے ساتھ کتابوں میں آتے ہیں اگر مصنف کا نام معلوم نہ ہوتو بمشکل پتہ چل سکتا ہے کہ مصنف کوئی ہندو ہے۔''

ہندوؤں کی نعت گوئی کا پس منظر بتاتے ہوئے انیس چشتی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ہندوستان کی سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسلامی روایات کا پاس رکھنے والے افراد نے نہ صرف مذہب اسلام کی آبیاری نہیں کی بلکہ یہاں کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں اسلام کے روح رواں یعنی نبی اکرمؐ کے بارے میں ایسا تاثر دیا کہ اس ملک میں بسنے والے دیگر طبقات سے متعلق افراد نے بھی ایک سچے محسنِ انسانیت کی طرز زندگی اور اخلاق و عادات کو اپنی زندگی کا خاصہ بنایا اور جب شعر گوئی کی طرف رغبت اختیار کی تو مدح رسولؐ کے ایسے جوہر دکھائے کہ بے ساختہ انکی وابستگی اور نسبت پر داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

دراصل یہ برصغیر پاک و بھارت کی زبان متفقہ اور متحدہ اردو ہی تھی، علم و ادب کے میدان میں فارسی کو بھی دخل تھا۔ اس لیے جہاں مسلمانوں نے اپنی عقیدت اور جذبات کا اظہار رسول اکرمؐ سے نعتیہ اشعار کی صورت میں کیا۔ اردو ادب سے گہری وابستگی اور اس ادب سے روحانی افکار کے تاثرات کے

سبب ہندوؤں نے یقیناً اچھا خاصا نعتیہ ادب پیش کیا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے غیر مسلم تہذیب پر جو اتنے تاثرات مرتب کیے اور دیگر غیر مسلمین نے اسے قبول کیا یہ ادب اسلامی کے اس پاکیزہ و نورانی حصّہ کا اثر تھا، جو ہر خرافات سے پاک کلام طیب و طاہر تھا۔ دوم رسول اکرمؐ کے ذکر کا اعجاز بھی پایا جاتا ہے کہ وہ ہر دل میں گذر رکھتا ہے۔''

غیر مسلموں کی نعت گوئی کے محرکات پر غور کیا جائے تو ایک سوال ابھرتا ہے کہ غیر مسلم شعرا اس کثرت اور تیزی کے ساتھ نعت گوئی کی طرف کیوں مائل ہوئے اس ضمن میں پہلا حوالہ خود سرکار دو عالمؐ کی ذات گرامی ہے جن کے کردار کی سربلندیوں نے اپنوں کے ساتھ ساتھ اغیار کو اس شدت کے ساتھ متاثر کیا۔ تاریخ انسانیت کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے۔ جب غیر دانشور اور محققین تعصب سے پاک ہو کر بانی اسلام کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس معاملے میں انھیں اور کوئی شخصیت آپ کے برابر کھڑی نظر نہیں آتی ان کے ذہن و ضمیر بے ساختہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اسوۂ محمدؐ ہی وہ منارۂ نور ہے جس سے پھوٹنے والی روشنی اقوام عالم کو ابد تک متاثر کرتی رہے گی۔ غیر مسلم شعرا نبی کریمؐ کی مدحت نگاری کی طرف مائل کیونکر ہوئے اس کے کئی اسباب ہیں۔ تاریخ شاہد ہے برصغیر میں اسلام صوفیاء کی تبلیغی اور اصلاحی کاوشوں کی بدولت پھیلا ہے ان صوفیاء کی تعلیم، محبت، خلوص اور شگفت و عنایت پر مبنی ہے۔ یہ بے سروسامان اللہ والے فقط رحمت ایزدی کے سہارے دور دراز کے علاقوں کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بناتے تھے۔ ان صوفیا اور مشائخ کی بارگاہ میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی حاضر ہوتے، بعض تو حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے اور جو اسلام قبول نہ کرتے وہ بھی صوفیائے کرام کی عقیدت میں اس حد تک آگے چلے جاتے کہ انھیں صوفیاء کے ملجی وماوئی حضور کی ذات ستودہ صفات بے حد محترم و محتشم نظر آتی اور

ان کا قلم بے اختیار جفت وثنائے حضور کے جواہر لٹانے لگتا، پھر یوں بھی ہوتا کہ جب شاعر فن شاعری میں اپنی صلاحیتوں کا جادو جگاتا ہے تو وہ اپنے دور کی مروجہ اصناف سخن کا جائزہ لیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ تمام اصناف سخن میں اپنی حیثیت کو مستند بنائے کی سعی کرلے اس لیے بھی جب غیر مسلم شاعری کے میدان میں آگے بڑھتا ہے تو تمام اسالیب سخن کے حوالے سے اپنے فن کا ظہور چاہتا ہے۔ تاریخ ادب میں ایسے بے شمار نام محفوظ ہیں جنھوں نے غزل، نظم، مسدس وغیرہ کے ساتھ نعت، مرثیہ اور منقبت میں بھی طبع آزمائی کی۔ چند غیر مسلم شعرا میں ایک گروہ ایسا تھا جو دوسروں کی دیکھا دیکھی نعت میں اسلیے طبع آزمائی کررہا تھا کہ نعت صنف شاعری کے طور پر ایک تحریک بن چکی تھی اور شاعر اس کو سمجھا جاتا تھا۔ جو کسی بھی صنف سخن میں پیچھے نہ رہے۔ غیر مسلم شعراء کی نعت کی طرف مائل ہونے کیوجہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اردو شاعری کی طرف راغب ہوتے ہیں تو انھیں اصلاح سخن کے لیے کہنہ مشق شعرا کی تلاش ہوتی تھی۔ اردو شاعری میں بیشتر استاد شاعر مسلمان ہوتے تھے جب غیر مسلم شعرا ان شعرا کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے تھے تو پھر ع

جمال ہم نشین در من اثر کرد،

کے مصداق اپنے مسلم اساتذہ کی پسند اور ناپسند بنالیتے تھے، ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ نے بھی اپنے ایک مضمون میں یہی رائے قائم کی ہے کہ اردو کے غیر مسلم شعرا میں خصوصیت کے ساتھ ہر دور میں چند نعت گو شعرا نظر آتے ہیں۔ جنھوں نے کچھ کو رسم شاعری کے طور پر اور کچھ نے گہری عقیدت کے ساتھ نعتیں لکھی ہیں۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے غیر مسلم شعرا کی نعت کی طرف توجہ کی بنیاد یہ بتائی ہے کہ:

"آپؐ رحمت عالم بن کر تشریف لائے اس حقیقت سے آپؐ نے عالم انسانیت پر جو عظیم احسانات کیے ہیں کوئی شخص بھی بشرطیکہ عناد و تعصب نے

ان کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر دیا ہو، آپ کا منکر نہیں ہو سکتا۔ ان احساسات اور ذاتی اوصاف و کمالات نے حضورؐ کی شخصیت کو اس درجہ دلکش اور محبوب بنا دیا ہے کہ کسی شخص پر اس کی ایک ادنیٰ سی جھلک بھی پڑ جائے، طبیعت کی سلامتی اس کی رفیق ہوتی ہے۔ اس کے دل و دماغ بے اختیارانہ طور پر اس شخصیت کے لیے عظیم احترام و محبت کے جذبات سے لبریز ہو جاتے ہیں اور اگر وہ شاعر بھی ہے تو یہی جذبات مدحیہ جسے اصطلاح میں نعت کہتے ہیں، روپ دھار کر زبان قلم سے تراوش پانے لگتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ نیک دل ہندو حضرات نے بھی حضورؐ کی شان میں کثرت سے نعتیں لکھی ہیں۔ اور جس طرح مسلمانوں میں حضرت محسنؔ کاکوروی اور مضطر خیر آبادی نعت گوئی میں کافی شہرت رکھتے ہیں، اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں میں بھی بعض خاص شاعر ہیں جو اس وصف میں کمال رکھتے ہیں۔“

غیر مسلموں کی نعت گوئی در حقیقت حضورؐ کی شخصیت ہی کا اعجاز ہے۔ حضور رسول کریمؐ کی تعریف اور ثنا پر ہر وقت شخص تیار ملتا ہے جسے سرکار کی حیات طیبہ کے چند گوشے بھی مطالعے کے لیے نصیب ہو جائیں۔ کوئی شخص سرور کائنات کے بارے میں کچھ علم حاصل کرے ان کی سیرت پاک کا مطالعہ کرے ان کے ارشاداتِ عالیہ سے آگاہ ہو اور آپ کا مداح نہ ہو جائے ایسا ممکن نہیں چنانچہ برصغیر کے غیر مسلم شعرا نے بھی آقا حضورؐ کی مدح و ثنا میں زمزمہ پردازی کی ہے۔ اگر غیر مسلم شاعروں کی نعتیہ شاعری کا جائزہ بغور لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں صرف تتبع یا معاشرتی رواداری ہی نہیں جذبوں کا بے پناہ میل بھی ہے۔ ذہنی گرویدگی اور قلبی تپش سے نعت کو صادق جذبوں کا سیل بے پناہ بنا دیا ہے۔ غیر مسلم شعرا کے کلام میں جذبات کا خلوص بھی ہے اور

بات کرنے کا سلیقہ بھی، یہ محض ایک رواداری کا معاملہ نہیں، والہانہ عقیدت کا اثر ہے۔ اس بات کی تائید ممتاز صاحبانِ قلم نے بھی کی غیر مسلموں کی نعتوں کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ محض تفنن طبع کے لیے نہیں کہی گئیں، ان شعرا کو کوئی مجبوری لاحق نہ تھی کہ نعت کے کوچے میں در آئیں یہ ذات نبیؐ کی معجزانہ مقبولیت اور اس جذب و کشش کی شاہد ہے جو سیرت پاک میں ہر ہوش مند انسان کے لیے موجود ہے۔ ان تمام وجوہات کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اپنے ہادی برحق کی تعریف و توصیف کے ان جذبات کو بلا امتیاز سراہا اور ان جذبات و عقیدت کی قدر کی، ان کی شعری صلاحیتوں میں ان صداقتوں کے اظہار کو پسند کیا اور ہر دور میں انھیں خراجِ تحسین پیش کیا مثلاً جن ممتاز دانشوروں نے غیر مسلم حضرات کی نعتیہ شاعری پر اظہار خیال کیا ہے ان میں حضرت مولانا انجم فوقی بدایوں بھی شامل ہیں آپ فرماتے ہیں:

> ''غیر مسلم شعرا نعت برائے نعت کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ انھوں نے اسلامی عقائد افکار کے علاوہ سیرت رسولؐ کا بھی گہرا جائزہ لیا ہے اور مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب سے بھی واقف رہے ہیں۔ بیشتر شعرا کی نعتیں زبان و بیان، ندرت و شگفتگی اور اسلامی حقائق و ادب کے حوالے سے قابل مطالعہ بھی ہیں اور لائق تحسین بھی۔''

علم و ادب کی معتبر شخصیت اور خاندانِ شیفتہ کے فرد جناب افتخار احمد مدنی نے ان شعراء کے نعتوں کے حوالے سے زبان و بیان کے ایک وصف کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ہندو نعت گو شعرا کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہندی الفاظ کے ساتھ ہندی شاعری کے استعارے بھی اپنی نعتوں میں نہایت آزادی کے ساتھ استعمال کیے ہیں اور اس طرح اردو کے نعتیہ کلام کو ایک نیا رنگ دیا ہے جسے مسلم شعرا نے بھی شوق سے اپنایا ہے۔ عام طور پر

مسلمان نعت گو شعرا کی نعتوں میں پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ اس حد تک جوش عقیدت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ اکثر نبوت اور الوہیت ایک دوسرے میں ضم ہوتی نظر آتی ہے لیکن حیرت انگیز طور پر یہ بات سامنے آتی ہے، ہندو شاعروں نے نعت کہتے وقت سوامی، اوتاری، بالم، پیا موہن جیسے الفاظ کا استعمال نہیں کیا جو عام مسلم نعت گو شعرا کے نعتیہ کلام میں پایا جاتا ہے۔ غیر مسلم شعرا کے کلام کے جذبات کی حدت بڑی حد تک محسوس ہوتی ہے ان کے پیرایۂ اظہار میں بے ساختگی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مصلحتاً نعت نہیں کہہ رہے ہیں۔ غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کے مطالعے کے بعد بعض شعرا کو تو غیر مسلم کہنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فن کا اہتمام ہی نہیں اور الفاظ کا حسن ہی نہیں ان کے احساسات اور جذبات کی پاکیزگی اور سچائی بھی دل پر اثر کرتی ہے۔ غیر مسلم شعرا کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بہت سے حضرات کا قرآن کریم میں سرکار دو جہاں کے مناقب کو بالخصوص پڑھا ہے اس کے علاوہ عرفان کے بیان کردہ مضامین میں نعت کا بھرپور مطالعہ کیا ہے اور بلیغ مضامین کو اپنی نعت کا جزو اعلیٰ بنایا ہے۔ وہ شعرا جو مذہب اسلام کے پیرو تو نہیں مگر عشق محمدیؐ سے مست و سرشار ہیں جن کو اصطلاح میں غیر مسلم اور استحسانہ ہم مشرب کہا جاتا ہے۔ ان کا منتخب کلام دل کے سرور اور آنکھ کے نور کا آئینہ دار ہے۔ اکثر محققین اور مصنفین نے بعض غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام پر تبصرے کیے ہیں اور ان کی نعت نگاری کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی ایک مشہور شاعر عرش ملسیانی کی نعتیہ شاعری کے ضمن میں مسلم ہندو مخلوط معاشرہ میں اس انداز کی شاعری سے نمایاں ہونے والی باہمی محبت و یگانت کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''قومی اور اجتماعی حیثیت سے وہ اِس وقت بڑی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ ایک پل، ایک برگد اور ایک ربط کا کام دے رہے ہیں۔ ملک کی دو بڑی

قوتوں اور دو بڑی تہذیبوں کے درمیان وہی خدمت جو ماضی قریب میں اس
ملک و وطن کی دو محترم ہستیاں انجام دے چکی ہیں۔ ایک مسز سروجنی نائیڈو اور
دوسرے مہاراجہ یمین السلطنت سر کشن پرشاد شادؔ۔''

پروفیسر سید یونس شاہ مصنف ''تذکرۂ نعت گویانِ اردو'' پنڈت ہری چند اخترؔ تلمیذ ابوالاثر حفیظ جالندھری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''ان کی نعتوں میں معنوی اعتبار سے بڑی عظمت اور جلالت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ مقصد بعثت اور شانِ رسالت کا مقصود ان کی نعتوں کا مقصود ہے۔ نعتیہ کلام میں آمد ہی آمد ہے اور تکلف اور تصنع سے پاک ہے۔'' ''اردو میں نعت گوئی'' کے مصنف ڈاکٹر ریاض احمد مجید نے سادھو رام آرزو سہارنپوری کے محاسن کلام پر روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:

''آرزو سہارنپوری کا نعتیہ کلام شیفتگی رسول کا مظہر ہے۔ صنف نعت سے ان کی وابستگی سرسری نہیں، ان کی نعتوں کا والہانہ پن بتاتا ہے کہ انھوں نے عشق رسولؐ میں ڈوب کر نعتیں لکھیں ہیں۔ معنوی اور صوری خوبیوں کے علاوہ حسنِ تاثیر ان کی نعتوں کا جوہر ہے۔''

جشن آرزو کے مجلہ میں محترم توصیف علوی کیرانوی نے بھی آرزو سہارنپوری کو ان الفاظ میں خراج عقیدت و تحسین پیش کیا:

''آرزو سہارنپوری کو جب نعت اور منقبت کے آئینے اور شیشے میں دیکھا جاتا ہے اور گہرائی سے ان کی نگارشات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود اردو ادب کی اس سخت ترین منزل، شعر و سخن کی اس نازک ترین اور مخصوص شاہراہ میں ایک ایسے منفرد اور ممتاز مقام کے حامل

ہیں۔ جہاں اچھے اچھے مسلم شعرا ان کے ہم پلہ اور حریف نظر نہیں آتے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایسے نام نہاد، کفر بردار، پرستار احمدیؐ ہیں جن پر حاملانِ دین اور حاملانِ ایمان کو بھی رشک آتا ہے۔"

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے اپنے تحقیقی مقالے میں منشی شنکر لال ساقیؔ کی نعتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ساقیؔ کی نعتوں سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ ایک غیر مسلم کا اظہار عقیدت ہے۔ شاعر جابجا شرک اور کفر کی برائی اور توحید کے مضامین کو بلا تکلف باندھتے ہیں۔ اس جگہ نہ تو ایہام کو دخل ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش۔"

انھوں نے راجہ مکھن لال مکھنؔ کی نعتیہ شاعری کے بارے میں اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے:

"جہاں مکھنؔ حضورؐ کی محبت میں اپنے داخلی جذبات کا اظہار کیا ہے، وہاں آپؐ کے محاسن کا بیان بھی ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ ان محاسن میں داخلی اور خارجی دونوں ہیں۔" لطیف احمد اخترؔ مینائی نے سرکشن پرشاد شادؔ کی نعت گوئی پر خمکدۂ نعت موسوم بہ ہدیۂ شاد میں شامل تفریط میں تحریر کیا ہے، کلام خود کہتا ہے کہ اسے سوز و گداز کے اشعار بغیر دل کی لگی کے نہیں نکلتے۔ شادؔ کے رنگ سخن کے بارے میں آپ کی رائے ہے: "حق تو یہ ہے کہ اس گویائی کا رنگ امیرؔ کے رنگ سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے اور پھر یہ اعزاز بھی ایک غیر مسلم شاعر یعنی شادؔ کو ہی حاصل ہے کہ ان کا کلام مدینۃ النبیؐ کے اس کتب خانے کی دیوار پر آویزاں ہے جو مسجد نبویؐ سے متصل شیخ الاسلام عارف حکمت نے قائم کیا ہے۔ یہ امر بھی بہت قابلِ ذکر ہے۔"

چودھری دلورام کوثریؔ کی نعتیہ شاعری کو تقریباً تمام ناقدینِ فن نے سراہا ہے۔ ان کے جذبات کی صداقت کا ہر صاحبِ ایمان معترف ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری فرماتے ہیں کہ:

''انھوں نے نعت گوئی میں زبان و بیان کی بڑی ہنر مندیاں دکھائی ہیں۔ ان کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ نعت گوئی ان کی ذہنی کاوش یا محض محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے دل کی آواز اور ان کی طبع شاعرانہ کی فطری جولان گاہ تھی اسی لیے ہر جگہ ان کی سادگی ایک طرح کی پرکاری لیے رہتی ہے۔''

حضرت پیر حمایت علی شاہ نے دلورام کوثریؔ کی نعت سے متاثر ہو کر انھیں ''حسان الہند'' کا خطاب دیا تھا۔ بیشتر محققین کی رائے ہے کہ صراحت کے بغیر یہ نعتیہ کلام منظر عام پر آئے تو یہ کہنا مشکل ہوگا کہ یہ کسی غیر مسلم کا ہدیۂ عقیدت ہے۔ موصوف نے عمر کے آخری حصّہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

سید شریف الحسن نقوی نے گرسرن لال ادیب لکھنوی کے مجموعہ ''نعت و مناقب: نذرانۂ عقیدت'' کے پیش لفظ میں ادیب کی نعت نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''ادیب صاحب کی جو نعتیں اس مجموعے میں شامل ہیں۔ وہ جب رسولؐ کے ایمان افروز جذبے میں سرتا سر ڈوبی ہوئی ہیں لیکن اس جذبے کی سرشاری نے ان کے پائے قلم میں وہ لغزشیں کہیں نہیں آنے دی ہیں جن سے یہ گمان گذرے کہ وہ صراط مستقیم سے بال بھر بھی ادھر ادھر ہو گئے ہیں۔ جناب حسن الدین احمد نے داموددھر ذکیؔ ٹھاکر کے مجموعہ کلام ''ارج'' حرف عقیدت کے عنوان سے ان کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ:

''نعت گوئی میں بھی ذکیؔ کا مقام بلند اور قابلِ قدر ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار سے عقیدت و احترام کا پورا پورا اظہار ہوتا ہے، اس مجموعۂ کلام میں ذکی ٹھاکر کی ۱۴۳ نعتیں اور ۵ قطعات شامل ہیں۔''

پنڈت ہری چند اختر کی نعت کا آخری شعر ہے۔

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

اس غیر مسلم کی سعادت کا کیا کہنا جس کی بصیرت نے ہم مسلمانوں سے بڑھ کر حضورؐ کی سیرت کے اس پہلو کو دیکھا، سمجھا اور سمجھایا۔ ڈاکٹر طلحہٰ رضوی برق نے نعتیہ ادب کی پہلی کتاب اردو کی نعتیہ شاعری میں رگھوندر راؤ جذب عالم پوری اور مشیر کے نعتیہ کلام کی خصوصیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''جذب اور مشر کی نعتیں اردو کی فنکارانہ اور عمق دل سے کہی گئی نعتوں کی نمائندہ ہیں۔ ایک سرشاری اور ایک بے خودی، ایک جذبہ ایک کیفیت اور ایک مستی کا عالم ہے جو ایک ایک شعر سے مترشح ہے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اشعار کسی غیر مسلم کے ہیں۔''

یہ بھی حقیقت ہے اردو شعر و ادب میں جگن ناتھ آزاد، عرش ملسیانی اور ہری چند اختر کی نعتیں اس پائے کی ہیں کہ ان میں وفور جذبات کی صداقت پوری شان سے جلوہ گر ہوتی ہے۔

الن جون مخلص بدایونی تلمیذ شیخ محمود حسین جلیل بدایونی پہلے مسیحی شاعر ہیں جن کا مجموعہ نعت و مناقب ''گلدستۂ نعت'' میں شائع ہوا۔ تذکرۂ غیر مسلم شعرائے بدایوں کے مؤلف شاداب ذکی بدایونی نے اپنے تذکرے میں مخلص بدایونی کے نعتیہ کلام کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کے یہاں عقیدت و احترام کے ساتھ نعت رسولؐ کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ اردو ادب کی بیشتر اہم شخصیات نے نعتیہ شاعری کے محاسن کو تو نمایاں کیا ہی ہے مگر بعض اہم دانشوروں نے غیر مسلم شعرا کی نعتیہ شاعری کو تنقیدی رخ سے بھی دیکھا ہے۔ نعتیہ شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والی ایک اہم کتاب ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی تصنیف کردہ ہے جس میں آپ نے لکھا ہے:

''نعت گوئی سے دلچسپی کا اظہار صرف مسلمانوں نے ہی نہیں غیر مسلم شعرا نے بھی

کیا یہ سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے اور آج بھی کسی نہ کسی طور پر جاری ہے۔''

مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان شعرا کی طرح غیر مسلم شعرا کی نعتوں کا بیشتر حصہ یکسر رسمی ہے۔ جناب راجہ رشید محمود نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں: ''کئی غیر مسلموں کی نعتوں میں بھی ایسے مضامین پائے جاتے ہیں جن میں حمد و نعت کے فرق کو اور ان کی آپس میں تعلقی نزاکت کو پیش نظر نہیں، اور مسلمان عوام بلکہ خواص بھی، کی حوصلہ افزائی سے یہی راہ مستقل ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال میں غیر مسلموں کی نعتوں کو پڑھتے ہوئے قارئین کرام کے ذہن میں یہ بات راسخ ہونی چاہئے کہ غیر مسلموں کے جذبات استحسن کے اظہار میں ایمان کی مبادیات کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے ان کے لیے نعت کے معاملے میں کچھ حدود و قیود نہیں ہیں، ہمارے لیے ضروری ہیں۔ جو موضوعات و مضامین غیر مسلموں نے نظم کیے ہیں وہ عموماً وہی ہیں جو مسلمان بیان کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کے جو احتیاطِ حد بندی اور رکھ رکھاؤ ہے وہ غیر مسلموں کے یہاں نہیں ہو سکتی وہ شاید ضروری بھی نہ ہو۔ ان آراء سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ بعض غیر مسلموں نے بھی بعض مسلمانوں کی پیروی کی ہے۔ غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ان کا نعتیہ کلام اعتراف صداقت کے زمرہ میں آتا ہے اس لیے انھیں ممتاز کرتا ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ ان شعرا نے اپنے نبیؐ رحمت سے اپنی والہانہ وابستگی اور پر خلوص عقیدت کو اپنے اشعار میں پرو دیا ہے کہ ان نعتوں پر امتِ محمدیؐ سے وابستہ افراد بھی انگشت بدندان رہ جاتے ہیں۔

راجہ رشید محمود مدیر ماہنامہ نعت لاہور نے غیر مسلموں کی نعت حصہ دوم میں ایک قابل ذکر بات یہ لکھی ہے جو دعوت فکر بھی دیتی ہے تحریر فرماتے ہیں:

''میرا سر تو ہر اس شخص کے آگے مستقلاً خم سمجھو جو اپنا سر میرے سرکارؐ کی بارگاہ

میں جھکاتا ہے۔ وہ کوئی بھی ہو میں تو ایسے غیر مسلموں کا بھی نام لیوا ہوں اور رہونگا۔ میرے اس رشتۂ نیاز کا حلقہ بہت وسیع ہے لیکن غیر مسلموں کی مدح سرائی کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف تو دوسرے مذہب کے ایسے ماننے والے حضور حبیب خداؐ کی ان امتیوں سے بہتر لگتے ہیں جو آقا حضورؐ کی تعریف و ثنا میں بخل سے کام لیں۔ اسی صورتحال کا ایک رخ یہ ہے کہ امتی اپنے سرکار کی توصیف کا دائرہ گفتار سے کردار تک وسیع کرلے ورنہ وہ کئی جہتوں میں غیر مسلموں سے مختلف اور اونچے دکھائی نہ دیں گے۔ ہم بھی اپنے آقا و مولاؐ کی تعریف میں تر زبان ہوتے ہیں اور رام سروپ اور روپ سنگھ بھی ان کی ثناء میں زمزمہ خواں ہو۔ نہ وہ میرے آقاؐ کا حکم مانتا ہے۔ میں اپنے آقاؐ کے حکم پر چلتا ہوں۔ ہم تو کلمہ گو ہیں۔ حضورؐ سے محبت ہمارے ایمان کی بنیاد ہے۔ حضورؐ کی تعریف ہمارا فریضہ ہے اور کسی غیر مسلم پر ایسی کوئی پابندی نہیں پھر بھی وہ آقا حضورؐ کی ثناء میں رطب اللسان ہے تو وہ ہم سے بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے غیر مسلم شاعروں نے اپنی نعت گوئی کو عطیۂ خداوندی اور فرمانِ محمدؐ قرار دیتے ہوئے اپنی نعت نگاری کو باعثِ فخر سمجھا ہے۔"

☆☆☆

ناقدین کی آرا

اکثر محققین اور مصنفین نے بعض غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام پر تبصرے کیے ہیں اور انکی نعت نگاری کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بالمکند عرشؔ ملسیانی کے نعتیہ شاعری کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ''قومی اور اجتماعی حیثیت سے وہ ایک بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ایک پل، ایک برزخ اور ایک ربط کا کام دے رہے ہیں۔ ملک کی دو بڑی قوتوں اور دو بڑی تہذیبوں اور بڑے مذہبوں کے درمیان یہ خدمت جو ماضی قریب میں اس ملک و وطن کی دو محترم ہستیاں انجام دے چکی ہیں ایک مس سروجنی نائیڈو ۱۸۷۹ء اور مہاراجہ یمن السلطنت سرکشن پرشاد شادؔ ۱۸۶۴ء۔ شادؔ کی نعتوں میں اظہار عقیدت قابلِ داد ہے۔ پروفیسر سید یونس شاہ، مصنف 'تذکرہ نعت گویان اردو'، پنڈت ہریش چند اخترؔ ۱۹۲۰ تا ۱۹۵۸ تلمیذ ابوالاثر حفیظ جالندھری کے بارے میں لکھتے ہیں، ''انکی نعتوں میں معنوی اعتبار سے بڑی عظمت اور جلالت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ مقصدِ بعثت اور شانِ رسالت کا مقصود انکی نعتوں کا مقصد ہے۔ نعتیہ کلام میں آمد ہی آمد ہے اور تکلف و تصنع سے پاک ہے۔ اردو میں نعت گوئی کے مصنف ڈاکٹر ریاض مجید نے سادھورام آرزو سہارنپوری کے محاسنِ کلام پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں: ''آرزو سہارنپوری کا نعتیہ کلام شیفتگی رسولؐ کا مظہر ہے۔ صنف نعت سے انکی وابستگی سرسری نہیں۔ انکی نعتوں کا والہانہ پن بتاتا ہے کہ انھوں نے عشق رسولؐ میں ڈوب کر نعتیں لکھی ہیں۔ معنوی وصوری خوبیوں کے علاوہ حسنِ تاثیر انکی نعتوں کا جوہر ہے۔ جشنِ آرزو کے مجلہ میں محترم توصیف علوی کیرانوی نے بھی آرزو سہارنپوری کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے، ''آرزو سہارنپوری کو جب نعت اور منقبت کے آئینے میں دیکھا جاتا ہے اور گہرائی سے ان نگارشات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ غیر مسلم ہونے کے

باوجود ادب کی اس سخت ترین منزل شعر و سخن کی نازک ترین اور مخصوص شاہراہ میں ایک ایسے منفرد و ممتاز مقام کے حامل ہیں جہاں اچھے اچھے مسلم شعرا انکے ہم پلہ اور حریف نظر نہیں آتے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایسے نام نہاد کفر بردار پرستار احمدی ہیں جن پر حاملانِ دین و ایمان کو بھی رشک آتا ہے۔''

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق نے اپنے تحقیقی مقالے میں منشی شنکر لال ساقی کی نعتوں کا تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ساقی کی نعتوں سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ ایک غیر مسلم کا اظہار عقیدت ہے۔ شاعر بجائے شرک اور کفر کی برائی اور توحید کے مضامین کو بلا تکلف باندھتے ہیں۔ اس جگہ نا تو ابہام کو دخل ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجایش انھوں نے راجہ مکھن لال مکھن کی نعتیہ شاعری کے بارے میں اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے۔''جہاں مکھن نے حضور کی محبت میں اپنے داخلی جذبات کا اظہار کیا ہے وہاں آپ کے محاسن کا بیان بھی ان کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ ان محاسن میں داخلی اور خارجی دونوں جذبات ہیں۔''

لطیف احمد اختر مینائی، تلمذ جلیل مانکپوری نے سرکشن پرشاد شاد کی نعت گوئی پر محمکدۂ نعت موسوم بہ ہدیۂ شادؔ کے شامل تفریض میں تحریر کیا ہے،''کلام خود کہتا ہے کہ ایسے سوز و گداز کے اشعار بغیر دل کی لگی کے نہیں نکلتے۔'' شاد کے رنگ سخن کے بارے میں آپ کی رائے ہے کہ، حق تو یہ ہے کہ اس گویائی کا رنگ امیر کے رنگ سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے اور پھر یہ اعزاز بھی ایک غیر مسلم شاعر یعنی شاد کو ہی حاصل ہے۔ انکا کلام مدینۃ النبیؐ کے اس کتب خانہ کی دیوار پر آویزاں ہے، جو مسجد نبویؐ کے متصل شیخ الاسلام عارف حکمت بے نے قائم کیا تھا۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ افضل العلماء ڈاکٹر ٹنکا شعیب کی تحریر کے مطابق مدرسہ عبدالعلی بحر العلوم مدراس کے طالب علم مکھن لال خرد نے مسجد والا جاہی کی تعمیر کے آغاز پر''ذکر اللہ اکبر'' سے تاریخ نکالی تھی۔ یہ تاریخ آج بھی مسجد کے مرکزی ہال کی محراب پر سب سے پہلے کندہ ہے۔ مکھن لال خرد مولانا عبدالعلی اور حضرت سیف

الملک کے شاگرد تھے اور اپنے ہندو ہمسر عربی و فارسی اسکالر لالہ جسونت رائے منشی جگن ناتھ پرشاد عزتؔ وغیرہ میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ لالہ جسونت رائے منشی بھی فارسی کے معتبر شاعر و ادیب تھے۔ لال ہیرا بھی مشہور ہیں۔ انھوں نے خرد نامہ غواصی کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ چودھری دلو رام کوثریؔ کے نعتیہ شاعری کے تقریباً تمام معترف ہیں۔ ڈاکٹر سید دلدار علی فرمانؔ فتحپوری فرماتے ہیں کہ: ''انھوں نے نعت گوئی میں زبان و بیان کی بڑی ہنر مندیاں دکھائی ہیں۔ ان کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ نعت گوئی ان کی ذہنی کاوش یا محض محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے دل کی آواز اور ان کی طبع شاعرانہ کی فطری جولان گاہ تھی اسلئے ہر جگہ انکی سادگی ایک طرح کی پرکاری لیے رہتی ہے۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ نے دلورام کوثریؔ کی نعت سے متاثر ہو کر انھیں 'حسان الہند' کا خطاب دیا تھا۔

بیشتر محققین کی رائے ہے کہ نام کی صراحت کے بغیر یہ نعتیہ کلام منظر عام پر آئے تو یہ کہنا مشکل ہوگا کہ یہ کسی غیر مسلم کا ہدیۂ عقیدت ہے۔ موصوف نے عمر کے آخری حصہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

سید شریف الحسن نقوی نے کرسن لال ادیب لکھنوی کے مجموعۂ نعت و مناقب 'نذرانۂ عقیدت' کے پیش لفظ میں ادیب کی نعت نگاری کا تجزیہ کرتے وقت لکھا ہے، ''ادیبؔ صاحب کی جو نعتیں اس مجموعہ میں شامل ہیں وہ حبِ رسولؐ کے ایمان افروز جذبہ میں سرتاسر ڈوبی ہوئی ہیں لیکن اس جذبہ کی سرشاری نے ان کے پائے قلم میں وہ لغزشیں کہیں نہیں آنے دی ہیں جن سے گمان گذرے کہ وہ صراط المستقیم سے بال بھر بھی ادھر ادھر ہو گئے ہیں۔''

محترم حسن الدین احمد نے دامودھر ذکی ٹھاکر کے مجموعۂ کلام 'ایرج' میں 'حرف عقیدت' کے عنوان سے ان کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے یہ تحریر کیا ہے کہ نعت گوئی میں بھی ذکی کا مقام بلند اور قابلِ قدر ہے۔ انکے نعتیہ اشعار سے عقیدت و احترام کا پورا پورا اظہار ہوتا ہے۔ اس مجموعۂ کلام میں ذکی ٹھاکر کی چودہ نعتیں اور پانچ قطعات شامل ہیں۔

پنڈت ہری چند اختؔر کی نعت کا آخری شعر

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا

پروفیسر ممتاز حسن نعت کے حوالے سے شائع ہونے والے مضمون میں اس شعر کی معنی آفرینی پر اپنے تاثرات ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں، ''اس غیر مسلم کی سعادت کا کیا کہنا جس کی بصیرت نے ہم مسلمانوں سے بڑھ کر حضورؐ کی سیرت کے اس پہلو کو دیکھا سمجھا اور سمجھایا۔'' ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ، بھارت سے شائع ہونے والی نعتیہ ادب کی پہلی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' میں رگھوندر راؤ جذب عالپوری اور مشرا کے نعتیہ کلام کی خصوصیت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''جذبؔ اور مشرؔا کی نعتیں اردو کی فنکارانہ اور عمیق دل سے کہی گئی نعتوں کی نمائندہ ہیں۔ ایک سرشاری، ایک بیخودی، ایک جذب، ایک کیفیت اور مستی کا عالم ہے جو ایک ایک شعر سے مترشح ہے۔ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اشعار کسی غیر مسلم کے ہیں۔'' ''شام وسحر' لاہور کے نعت نمبر میں شامل ایک مضمون بعنوان 'اردو میں نعت نگاری ایک جائزہ تک' میں ڈاکٹر محمد انور الدین انوؔر سید تحریر کرتے ہیں کہ: ''اردو شعر وادب میں جگن ناتھ آزادؔ، عرشؔ ملسیانی اور ہری چند اختؔر کی نعتیں اس پائے کی ہیں کہ ان میں وفور جذبات کی صداقت تو پوری شان سے جلوہ گر ہوتی ہیں۔ ایلن جان مخلصؔ بدایونی تلمیذ شیخ محمود جلیل بدایونی پہلے مسیحی شاعر ہیں جن کا مجموعہ 'نعت و مناقب' گلدستۂ نعت' میں بدایوں سے شائع ہوا تذکرہ ''غیر مسلم شعرائے بدایوں'' کے مؤلف شاداب ذکی بدایونی نے اپنے تذکرے میں مخلصؔ بدایونی کی نعتیہ کلام کے بارے میں لکھا ہے کہ، ''آپ کے یہاں عقیدت واحترام کے ساتھ نعت رسولؐ کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔''

اردو ادب کی بیشتر اہم شخصیات نے نعتیہ شاعری کے محاسن کو تو نمایاں کیا ہی ہے مگر بعض اہم دانشوروں نے غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کو تنقیدی رخ سے بھی دیکھا ہے۔ نعتیہ شاعری کے

حوالے سے شائع ہونے والی ایک اہم کتاب ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی تصنیف کردہ ہے جس میں آپ نے لکھا ہے، ''نعت گوئی کی دلچسپی کا اظہار صرف مسلمانوں ہی نے نہیں غیر مسلم شعرا نے بھی کیا ہے۔ یہ سلسلۂ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے اور آج بھی کسی نہ کسی طور پر جاری ہے۔ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان شعرا کی طرح غیر مسلم شعرا کی نعتوں کا بیشتر حصہ رسمی ہے۔ محترم راجہ رشید محمود نے اس پر روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں، ''کئی غیر مسلموں کی نعتوں میں بھی ایسے مضامین پائے جاتے ہیں۔'' جن میں حمد و نعت کے فرق کو اور ان کے آپس میں تعلقات کی نزاکت کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا اور مسلم عوام بلکہ خواص کی حوصلہ افزائی سے یہی راہ مستقل ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال میں غیر مسلموں کی نعتوں کو پڑھتے ہوئے قارئین کرام کے ذہن میں یہ بات راسخ ہونی چاہیئے کہ غیر مسلموں کے جذبات استحسان کے اظہار میں ایمان کی مبادیات کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، اس لیے ان کے نعت کے معاملے میں کچھ حدود و قیود نہیں ہیں۔ ہمارے لیے جو موضوعات و مضامین غیر مسلموں نے نظم کیے ہیں وہ عموماً وہی ہیں جو مسلمان بیان کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کے یہاں جو احتیاط، حد بندی اور رکھ رکھاؤ ہے وہ غیر مسلموں کے یہاں نہیں ہو سکتی اور شاید ضروری بھی نہ ہو۔ ان آرا سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ بعض غیر مسلموں نے بھی بعض مسلمانوں کی پیروی کی ہے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ان کا نعتیہ کلام اعتراف صداقت کے زمرے میں آتا ہے اس لیے انھیں ممتاز کرتا ہے۔ بقول ارشاد عثمانی مصنف، 'اردو شاعری میں نعت گوئی' ''سچی بات تو یہ ہے کہ ان شعرا نے رحمتؐ سے اپنی والہانہ وابستگی اور پر خلوص عقیدت کو ایسے اشعار میں پرو دیا ہے کہ ان نعتوں پر امتِ محمدیؐ سے وابستہ افراد بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔''

راجہ رشید محمود مدیر ماہنامہ 'نعت' لاہور نے غیر مسلموں کی نعت حصہ دوم میں ایک قابل ذکر اداریہ لکھا ہے جس کے مندرجات دعوت فکر بھی دیتے ہیں، تحریر فرماتے ہیں: ''میرا سر تو ہر اس شخص

کے آگے خم سمجھو جو اپنا سر میرے سرکارؐ کی بارگاہ میں جھکاتا ہے وہ کوئی بھی ہو۔ میں تو ایسے غیر مسلموں کا بھی نام لیوا ہوں اور رہوں گا۔ میرے اس رشتۂ نیاز کا حلقہ بہت وسیع ہے لیکن غیر مسلموں کی مدح سرائی کے دو پہلو ہے ایک طرف تو دوسرے مذہب کے ایسے ماننے والے حضور حبیب خدا کے ان امتیوں سے بہتر لگتے ہیں جو آقا حضورؐ کی تعریف وثنا میں بخل سے کام لے۔ اس صورتِ حال کا ایک رخ یہ ہے کہ امتی اپنے سرکارؐ کی توصیف کا دائرہ گفتار سے کردار تک وسیع کریں ورنہ وہ کئی جہتوں میں غیر مسلموں سے مختلف اور اونچے دکھائی نہ دیں گے۔ ہم بھی اپنے آقا و مولا کی تعریف میں تر زبان ہوتے ہیں۔ اور رام سروپ یا روپ سنگھ بھی ان کی ثنا میں زمرہ خواں ہوں۔ نہ میرے آقا کا حکم مانتے ہے نہ میں اپنے آقا کے حکم پر چلتا ہوں۔ ہم تو کلمہ گو ہیں۔ حضورؐ سے محبت ہمارے ایمان کی بنیاد ہے۔ حضورؐ کی تعریف ہمارا فریضہ ہے اور کسی غیر مسلم پہ ایسی کوئی پابندی نہیں، پھر بھی وہ آقائے نامدار کی مدح میں رطب اللسان ہے تو وہ ہم سے بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے غیر مسلم شاعروں نے اپنی نعت گوئی کو عطیۂ خداوندی عرفانِ محمد قرار دیتے ہوئے اپنی نعت نگاری کو باعثِ فخر سمجھا ہے۔ ان کے چند ایسے اشعار ملاحظہ ہو جو عشق رسولؐ کے تحت قلمبند کیے گئے ہیں:

دی دادِ سخن مجھ کو ہر اک پیر و وصی نے
اعزاز بڑھایا ہے مرا نعت نبی نے

(پیارے لال رونق دہلوی)

ہر ایک کا حصہ نہیں نعت نبی جوہر
اللہ جسے بخش دے عرفان محمد

(چندر پرکاش جوہر)

کیوں نہ فخر یہ توقیر ہے کیا کم ہمدم
بخش دی نعت کی جاگیر نبی نے مجھکو

(گوری پرشاد)

اترے ہیں جب بھی ذہن میں اشعار نعت کے
اے سوزؔ ان سے میری عقیدت سوا ہوئی

(ہیرانند سوز)

پڑھتا ہوں نعت جب میں تو کہتے ہیں اہل دل ۔۔۔ اے قیسؔ تو ہے بلبل بستان مصطفےٰ

(امیر چند قیس جالندھری)

یہ سرفرازیاں تھیں ان کی نوازشیں تھی ۔۔۔ لکھی ہے نعت ورنہ کب اپنے بل ذکی نے

(داموودھر ذکی ٹھاکر)

کاش یہ توفیق دیں حضرت محمدؐ اے روتیؔ ۔۔۔ نعت روزانہ لکھوں میں اور گاؤں بار بار

(روتیؔ پرکاش بھردواج)

نعت لکھتی ہے سرکار کی اب ۔۔۔ کیا تجمندر ادا بے ہنر ہے

(تجمندؔ ر ادا)

الفتِ حضرت کا ناقص ایک ادنی ہے یہ وصف ۔۔۔ یہ کمال نعت گوئی اور پھر ہندو ہی ہے

(ناقص دہلوی)

یہ اسی کا ہے اثر نبی، جو عقیدت اس کو ہے آپ سے ۔۔۔ بھلا نعت کہنا بھی سومؔ کے کہیں اختیار کی بات

(سومؔ مورنڈوی)

غیر مسلم شاعروں کے نعتیہ کلام میں جذبات کی حدت اور محسوسات کی شدت کے ساتھ ساتھ وہ شعور اور سلقیہء اظہار بھی صاف نظر آتا ہے جو نعت کے لیے مخصوص ہے۔ یہ کہنے میں بھی کوئی تامل نہیں کہ بعض اشعار شعری حسن کے علاوہ نعت کا حق ادا کرتے نظر آتے ہیں اور یقین کے توانا اظہار کا خوبصورت نمونہ ہے: مثلاً

کیوں وجد آفریں نہ ہو احساس زندگی ۔۔۔ گونجا ہے ساز روح پہ نغمہ رسول کا

(گوپال کشن شفقؔ)

منم اے شوق بیگانہ ز اسلام ۔۔۔ مگر کفر یست انکار محمدؐ

(بابو رگھو نند شوقؔ مراد آبادی)

بہت اچھا ہوا جنت سے نکلے میتسر ہے یہاں کوئے محمد
(دامودھر ذکی ٹھاکر)

صاف آرہی ہے اس سے صدائے درود پاک پہنچانتے ہیں ہم یہ سؔخا کا مزار ہے
(لکشمی نارائن سؔخا)

کونین ہے اک کوچۂ محبوب دو عالم فردوس ہے اک گوشۂ دامان محمد
(چندر پرکاش جوہر)

مثال محمد چہ گوئی چہ جوئی نیابی نیابی مثال محمد
(علامہ امرچند قیس جالندھری)

کون ماہر دہے یہ دیکھنے کی خواہش ہے ظلمتوں کے عاشق بھی روشنی میں آئے ہیں
(سیلانی سیوتی)

نہ قول و عمل کوئی فرق مطلق پیامی سراسر پیام اللہ اللہ
(عرش ملسیانی)

چشمۂ فیضان احمد در جہان سو بہ سو گوشہ بہ گوشہ کو بہ کو
(راجہ مکھن لال مکھؔن)

کاش مل جائے کسی روز انھیں رنگ قبول ہیں ندامت کے یہ آنسو ہی گنہگار کے پھول
(کنول سیالکوٹی)

فخر یہ بھی ہے محمدؐ کی بدولت حاصل جو ملک کو نہ میتسر ہو بشر دیکھ سکے
(ماہر لکھنوی)

تصور میں میرے محمدؐ محمدؐ تخیل میں میرے محمدؐ محمدؐ
بہاریں مرے اب قدم چومتی ہیں بہاروں کی مجھ کو ضرورت نہیں ہے
(شمشیر سنگھ شیر)

یہ کیا کہنا یہاں آئے سکوں کی کھوج جسکو ہو مناسب تو یہ کہنا ہے یہیں آئے یہیں آئے

(امن لکھنوی)

غیر مسلم شعرا کے موضوعات نعت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شعرا کی خاصی تعداد اسلامی تعلیمات اور سیرت نبویؐ سے بخوبی واقف ہے اور بعض شعرا نے تو قرآن حکیم سے بھی استفادہ کیا ہے۔ان شعرا کی نعتوں کا ایک اہم پہلو شفاعت طلبی ہے اسی رخ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خاتم النبیؐ سے کیا توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں:

مجھے اے برق کیا غم ہے بھلا روز قیامت کا شفاعت کے لیے حامی میرے خیر الوریٰ ٹھہرے

(کنج بہاری لال برق)

چوں سر محشر ز محشر عرصہ بر خود تنگ دید تفتہ گریاں آمد و دامان پیغمبر گرفت

(ہر گول تفتہ)

میں حشر میں دیدوں گا ثبوت اپنے کہے کا مجھ سا نہ گنہگار نبیؐ سا نہ سخی اور

(رمیش نارائن سکسینہ گلشن بریلوی)

بیم از تشنگی روز جزا نیست صفا کہ امید کرم از ساقی کوثر دارم

(رائے منولال صفا لکھنوی)

سر پر ہو ان کا دست شفاعت عصیم کے جس دم کھڑا ہو داور محشر کے سامنے

(ٹھاکر بواسنگھ عصیم)

ہے حامی و ممدوح مرا شافع عالم کیفی مجھے اب خوف ہے کیا روز جزا کا

(پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی)

حشر کا جب آئے گا دن رکھیے گا کشتل کو بھی یاد اے شفیع عاصیاں اے شفیع عاصیاں

(شیر پرتاپ سنگھ کشتل)

ہندو ہوں بہت دور ہوں اسلام سے لیکن
مجھ کو بھی محمدؐ کی شفاعت پہ یقیں ہے
(برج ناتھ پرشاد مخمور لکھنوی)

اے نبی تیری شفاعت تری رحمت کے سوا
ترا شاعر کسی نعت کا طلبگار نہیں
(کالیداس گپتارضا)

عبث ہے فکر مجھ کو اے خدا اپنے گناہوں کی
شفیع عاصیاں جب نام ہے تیرے محمد کا
(پنڈت جگموہن ناتھ فدا دہلوی)

قیامت سے مجھ کو ڈراتا ہے ناصح
پتہ ہے کہ میں ہوں غلام محمدؐ
(سرجیت سنگھ ناشاد)

ہو عرصۂ محشر میں کہیں فاش نہ پردا
لے دامانِ رحمت میں چھپا احمد مختار
(پنڈت پربھودیال مشر)

نہیں نامی کو کچھ ڈر پرسش روز قیامت
گنہگاروں کے سرور ہو شفیع روز محشر ہو
(منشی روپ کشور نامی سہارنپوری)

ہمیں دوزخ کی کیا پروا ہمیں کیوں ڈر ہو محشر کا
کہ عاصی شافع روز جزا کی بات کرتے ہیں
(اودھ ناتھ نشتر لکھنوی)

یہی نعت محمد ہو گی اپنی حافظ و ناصر
کریں کس واسطے ہم نغز کھٹکا روز محشر کا
(کرشن سہائے نغز بلگرامی)

امید شفاعت پہ جیتا رہا ہوں
مری عمر بھر کی یہی ہے کمائی
(بالمکند عرش ملسیانی)

کیا میری شفاعت میں بھلا دیر لگے گی
کیا مجھ کو نہیں جانتے سلطان مدینہ
(سرکشن پرشاد شاد)

پرسش روز حشر کا کیا ڈر کیا نہیں میں غلام احمد کا

(مہندر پرتاپ چاند)

یہ سچ ہے جوش شرمندہ ہے عصیاں کا رہے لیکن اسے کیا خوف ہو جب شافع روز جزا تم ہو

(رادھا رمن جوش بدایونی)

سر محشر مزے لے کے ہر اک سے کہوں گا میں سودائی محمد کا ہوں دیوانہ محمد کا

(ماہلا رام)

حشر میں ہم سے گنہگاروں کی قسمت دیکھیں سر پہ ہے سایۂ دامانِ رسول عربی

(دھرمیندر ناتھ)

غیر مسلم شعرا نے نعت ہی نہیں کہی بلکہ اپنے کردار سے اس شعور کا مظاہرہ کیا ہے جو سیرتِ رسول کے مطالعے کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ غیر مسلموں کی نبی کریمؐ سے عقیدت و محبت ہی ہے کہ متعدد شاعروں کی نعتیں ان کے شعری مجموعوں میں ملتی ہیں مگر یہ بات ہر اعتبار سے اہم ہے کہ بعض غیر مسلم شعرا کا نعتیہ ذخیرہ اتنا ہوا کہ ان کے مجموعہ منظر عام پر آئے۔ 'گلبن نعت کوثری، دلوارام کوثری، 'ہدیہ شاد'، مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد، 'آہنگ حجاز' بالکمند عرش ملسیانی، 'گلدستۂ نعت' ایلن جون مخلص بدایوانی، 'ظہور قدسی' آرزو سہارنپوری، 'نذرانۂ عقیدت' ادیب لکھنوی، 'اجالے' کالیداس گپتا رضا، 'رہبر اعظم' چرن سرن ناز لاکھن پوری اور 'اے ہوا موذن ہو' نظیر قیصر شائع ہو چکے ہیں۔ علاقہ امر چند قیس جالندھری اور پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا ذخیرۂ نعت بھی کچھ کم نہیں مگر ابھی کتابی شکل میں منظر عام پر نہیں آیا۔ اس جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم شعرا نے نبی خاتمؐ کی مدح میں جو خواج عقیدت پیش کیا ہے وہ اعتراف صداقت کے زمرے میں آتا ہے نیز محسن انسانیت کے کردار و شخصیت کا اعجاز ہے۔ یہ کلام ادب کا ایک قابل ذکر حصہ ہے اور رہے گا۔ اس کی اہمیت و افادیت کو کسی بھی دور میں نظر انداز کیا گیا اور نہ کیا جائے گا۔ ☆☆

اختتامی کلمات

اردو ادب کی جن بیشتر اہم شخصیات نے نعتیہ شاعری کی ضمن میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں ان میں چند غیر مسلم شعرا کی بھی کافی تعداد پائی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نعت گوئی سے دلچسپی کا اظہار صرف مسلمانوں ہی نے نہیں غیر مسلم شعرا نے بھی کیا ہے۔ ان شعرا کے کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ غیر مسلم شعرا کی نعتوں کا بیشتر حصہ ان کے اخلاص دل اور غیر جانبدارانہ کشادگی نظر ہی کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے نعت کے معاملے میں وہی مضامین اور موضوعات نظم کیے ہیں جو عموماً مسلمان شعرا زمانہ قدیم سے اختیار کرتے آ رہے ہیں۔ ان صاحب دل غیر مسلم شعرا کے یہاں نعت رسولؐ کے بڑے اچھے نمونے ملتے ہیں جس میں نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ کھلے دل سے رسول پاک کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے۔ ان کا نعتیہ کلام شیفتگی رسول اللہ ﷺ کا مظہر ہے۔ بعض شعرا کے یہاں تو نعتوں کا والہانہ پن قابل داد ہے۔ انھوں نے عشق رسول میں ڈوب کر اشعار قلم بند کیے ہیں۔ ان غیر مسلم مخلص شعرائے کرام کی نگارشات پر حیرت ہوتی ہے کہ غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی اردو ادب کی سخت ترین منزل شعر و سخن یعنی نعت گوئی کی اس نازک ترین اور مخصوص شاہراہ میں انھوں نے کس قدر نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں جہاں معنوی اعتبار سے مضامین نعت کا بھرپور حق ادا کیا ہے وہیں بلیغ مضامینِ نعت کو اپنی نعتوں کا جزو بنایا ہے۔ یہ بظاہر مذہب اسلام کے پیرو تو نہیں ہیں مگر عشق نبیؐ سے مست و سرشار ہیں۔ ان کا مخلصانہ نعتیہ کلام دل کے سرور اور آنکھ کے نور کا آئینہ دار ہے۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی:

> ''یہ غیر مسلم نعت گو شعراء قومی اور اجتماعی حیثیت سے بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں. ان کی شاعری میں مسلم ہندو مخلوط معاشرے میں پائی جانے

والی باہمی محبت و یگانگت کی فضا پائی جاتی ہے۔''

ان ہندو نعت گو شعرا کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہندی الفاظ کے ساتھ ہندی شاعری کے استعارے بھی اپنی نعتوں میں آزادی کے ساتھ استعمال کیے ہیں اور اس طرح اردو کے نعتیہ کلام کو ایک نیا رنگ بھی عطا کر دیا۔ ان کے نعتیہ کلام میں جذبات کی حدت اور خلوص کی شدت بڑی حد تک محسوس ہوتی ہے۔ ان کے پیرایۂ اظہار میں بے ساختگی اس امر کی دلالت کرتی ہے کہ وہ مصلحتاً نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ان حقیقی مخلصانہ جذبات کی ترجمانی کر رہے ہیں جو ان کے دلوں میں عشق رسول کی بدولت موجزن ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ بعض اہل دل غیر مسلم شعرا کو تو غیر مسلم کہنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فن کا اہتمام ہی نہیں اور الفاظ کا حسن بھی نہیں پایا جاتا بلکہ ان کے احساسات اور جذبات کی پاکیزگی اور سچائی بھی دل پر اثر کرتی ہے۔ بیشتر شعرا کی نعتیں زبان و بیان، ندرت و شگفتگی اور اسلامی حقائق و ادب کی اسلامی تلمیحات کے حوالے سے بے حد قابل مطالعہ بھی ہیں اور لائق تحسین بھی۔ ان پاک نفس غیر مسلم شعرا کی نعت گوئی درحقیقت اس بات کا بین ثبوت فراہم کرتی ہے کہ ہندوستان کی سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسلامی روایات کی پاسداری کرنے والے غیر مسلم افراد نے صرف مذہب اسلام کو قدر و منزلت کی نظر سے نہیں دیکھا ہے بلکہ اسلام کے روح رواں آنحضرتؐ کے بارے میں بھی قابلِ احترام تاثر دیا ہے۔ مدح رسول کے ضمن میں ان کی بے ساختہ وابستگی اور نسبت پر داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ ان نعت گو غیر مسلم شعرا نے اردو ادب سے گہری وابستگی اور اس ادب کے روحانی افکار کے اثرات کے سبب اچھا خاصہ نعتیہ ادب پیش کیا ہے۔

ان کے کلام کا گہرا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم دانشور اور مخلص اہل شعور نے تعصب سے پاک ہو کر بانی اسلام کی سیرت قدسیہ کا مطالعہ کیا ہے جس کے باعث ان کے ذہن

اور ضمیر اس حقیقت کا بے ساختہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ اسوۂ محمدی ہی وہ مینارۂ نور ہے جس سے پھوٹنے والی روشنی سارے عالم کو ابد تک متاثر کرتی رہے گی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اردو کے غیر مسلم نعت گو شعرا نے اپنی کشادہ دلی، متانت، سنجیدگی اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اردو کی نعتیہ شاعری کو خوب حسن و جمال عطا کیا ہے اور اپنی فنی پختہ کاری اور زبان و بیان پر غیر معمولی عبور کے جوہر دکھائے ہیں۔ ان کی نعتوں میں زبان با محاورہ اور فصیح ہے۔ انداز بیان دلکش اور پُر تاثیر ہے۔ ان میں خلوص بھرے جذبات اور عشق نبیؐ کی سرشاری کی کیفیات کے علاوہ تہذیب، ثقافت اور احتیاط کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔

انھوں نے اپنے نعتیہ کلام میں سرور کائناتؐ کی مداحی کا حق صحیح طور پر ادا کر دیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

☆☆☆

کتابیات

۱۔ اجالے : کالی داس گپتا رضا

۲۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ: ڈاکٹر سید عبداللہ

۳۔ اذانِ بتکدہ : محمد بدیع الدین فوق

۴۔ اردو میں نعتیہ شاعری: ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق

۵۔ اردو کی نعتیہ شاعری : ڈاکٹر طلحہ رضوی

۶۔ اردو کی نعتیہ شاعری : ڈاکٹر فرمان فتح پوری

۷۔ اردو شاعری میں نعت : ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد

۸۔ اردو شاعری پر ایک نظر : محمد جمیل

۹۔ اردو کے مسیحی شعرا : ڈی اے بیرسن فرمان

۱۰۔ اردو کے ہندو ادیب : ناظر کاکوروی

۱۱۔ ارمغانِ جذب : جذب عالمپوری

۱۲۔ ارمغانِ حجاز : مرتبہ والی آسی

۱۳۔ آہنگِ حجاز : عرش ملسیانی

۱۴۔ بحر زماں، بحر زباں : نور احمد میرٹھی

۱۵۔ تاریخ اردو ادب : رام بابو سکسینہ

۱۶۔ تاریخ اردو ادب : (جلد ۱ تا ۳) جمیل جالبی

۱۷۔ تاریخ اردو ادب : اعجاز حسین

۱۸۔ تذکرہ شعرائے اتر پردیش : عرفان عباسی

۱۹۔ تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں: شاداب ذکی بدایونی

۲۰۔ خمخانۂ جاوید : لالہ سری رام

۲۱۔ دکن میں اردو: نصیر الدین ہاشمی

۲۲۔ دلی کا دبستان شاعری: ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

۲۳۔ دیوان مکھن لال:

۲۴۔ سندھی میں نعتیہ شاعری: ڈاکٹر میمن عبدالمجید

۲۵۔ شعر الہند : مولانا عبدالسلام ندوی

۲۶۔ عربی کی نعتیہ شاعری: ڈاکٹر عبداللہ عباس

۲۷۔ قصیدہ نگارانِ اتر پردیش : علی جواد زیدی

۲۸۔ گلبن نعت کوثری : دلورام کوثری

۲۹۔ ہدیۂ شاد : سر کشن پرشاد شاد

۳۰۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

☆☆☆

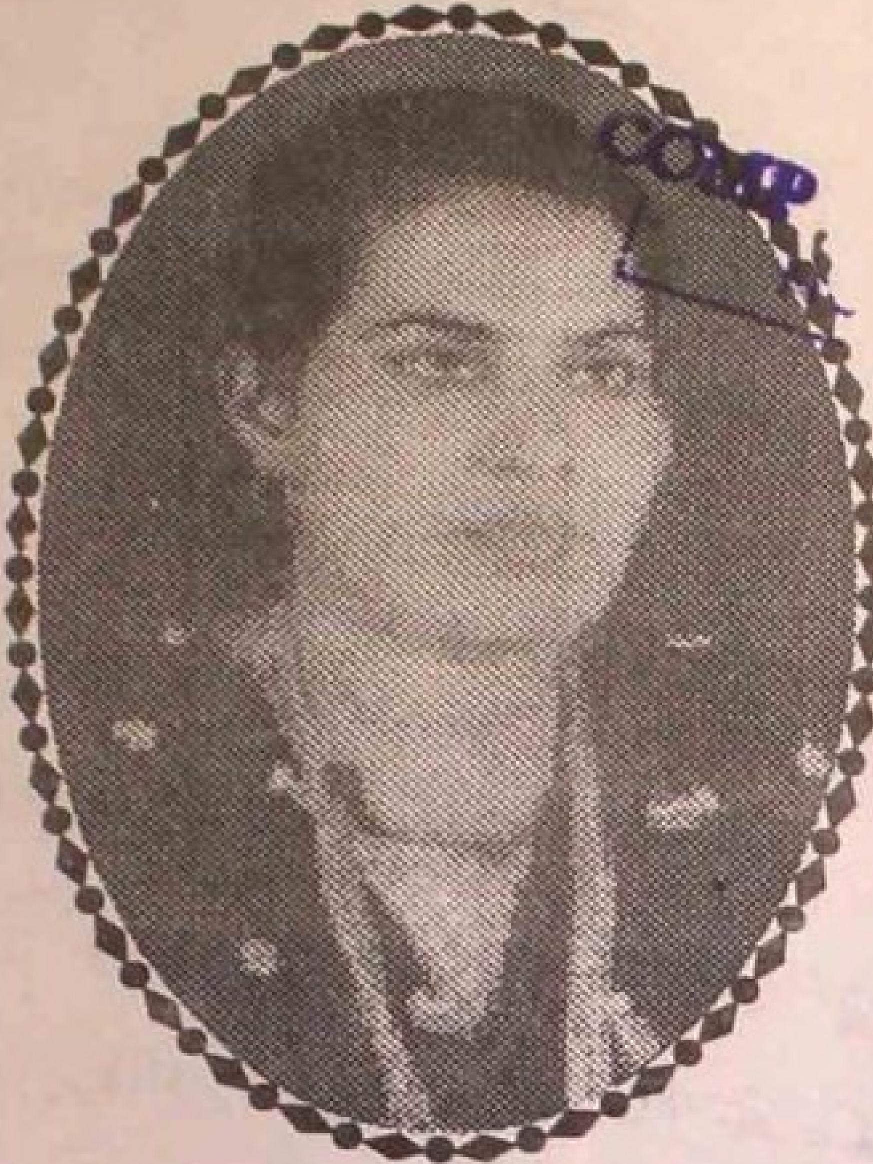

نام	:	ڈاکٹر عقیلہ بیگم
والد	:	سیّد غوث
شوہر	:	پٹیل حفظ الرحمٰن
تعلیم	:	ایم۔اے (اردو)، ایم۔اے (فارسی)، بی۔ایڈ، پی ایچ۔ڈی۔
ملازمت	:	ریڈر و صدر شعبۂ اردو آرٹس اینڈ کومرس مہیلہ مہاودیالیہ، امبا جوگائی
پتہ	:	عقیلہ پٹیل حفظ الرحمٰن گھر نمبر ا۔ سید سادات کی درگاہ کے پاس سنیہ نگر۔ امبا جوگائی، ضلع بیڑ۔ (مہاراشٹر)

نام : ڈاکٹر عقیلہ بیگم

ولد : سیّد غوث

شوہر : پٹیل حفظ الرحمٰن

تعلیم : ایم۔اے (اردو)، ایم۔اے (فارسی)، بی۔ایڈ، پی ایچ۔ڈی۔

ملازمت : ریڈر وصدر شعبۂ اردو۔ آرٹس اینڈ کومرس مہیلہ کالج۔ امباجوگائی۔

پتہ : عقیلہ حفظ الرحمٰن

گھر نمبر ۱، سیّد۔سادات کی درگاہ کے پاس،

ستیہ نگر، امباجوگائی۔ ضلع بیڑ (مہاراشٹر)